شہزادہ شہریار

عَمرو عیّار کا بھانجا

عَمرو عیّار اصفہان میں اپنی بہن کے گھر چُھپا ہُوا تھا اور اُدھر اُس کے دُشمن سارے شہر میں اُسے ڈُھونڈھتے پھر رہے تھے، لیکن کچھ پتا نہ چلتا تھا کہ عَمرو کو زمین کھا گئی یا آسمان نِگل گیا۔

عَمرو کا بھانجا، 'ابُوالفتح' بڑا ذہین آدمی تھا۔ اُس نے کئی مرتبہ اپنے ماموں کو بھی غچّا دیا۔ حتّٰی کہ ایک روز عَمرو نے اپنی بہن سے کہا: "آج ہم اپنے بھانجے کو باقاعدہ اپنی شاگردی میں لیتے ہیں اس لیے پانچ سیر مٹھائی منگواؤ۔"

عَمرو کی بہن سمینہ یہ سُن کر بے حد خُوش ہُوئی۔ اُسی وقت پانچ سیر مٹھائی منگوا کر سامنے رکھی۔ عَمرو نے تھوڑی سی مٹھائی خُود کھائی، کُچھ ابُوالفتح کو کھِلائی اور باقی محلّے کے بچّوں میں بانٹ دی۔ اِس کے بعد ابُوالفتح نے عَمرو سے پُوچھا۔

"ماموں جان، یہ آپ نے دائیں ہاتھ میں کیا چیز لپیٹ رکھی ہے؟"

"بیٹا، اسے دست مالی کہتے ہیں" عمرو نے بتایا۔ "اس کے اندر داروئے بے ہوشی جمع رہتی ہے۔ اسی کی مدد سے جس کو چاہتا ہوں بے ہوش کر دیتا ہوں۔"

"ماموں جان، تھوڑی داروئے بے ہوشی مجھے بھی دے دیجیے۔" بھانجے نے خوشامد سے کہا۔ "میں بھی کسی کو بے ہوش کر کے دیکھوں گا۔"

عمرو نے پہلے تو دوا دینے میں کچھ پس و پیش کیا مگر بعد میں بھانجے کی ضد کے سامنے ہتھیار ڈالنے پڑے۔ اس نے تھوڑی سی داروئے بے ہوشی ابوالفتح کو دیتے ہوئے کہا۔ "اسے سنبھال کر رکھنا اور ناحق کسی کو مت ستانا۔"

بہت دن تک گھر میں پڑے پڑے عمرو کی طبیعت اکتا گئی اور باہر نکلنے کا ارادہ کرنے لگا۔ لیکن جب بھی اپنی بہن سے جانے کی اجازت لیتا، وہ ناراض ہو کر کہتی۔ "بھیا تمھاری تو عقل ماری گئی ہے۔ چپے چپے پر دشمن لگے ہوئے ہیں۔ تمھاری تکا بوٹی کر کے چیل کوّوں کو کھلا دیں گے۔ آرام سے گھر میں بیٹھے رہو اور باہر جانے کا خیال دل سے نکال دو۔ جب شہر والے تمھیں بھول جائیں گے، تب

چلے جانا۔"

عَمرو مجبور ہو کر اُس کی بات مان لیتا۔ لیکن ایک دن اُس سے صبر نہ ہو سکا۔ وہ آدھی رات کے وقت بستر سے اُٹھا، اور چپکے سے دروازہ کھول کر باہر نکل گیا۔ اُس وقت شہر میں سناٹا تھا۔ آوارہ کتّوں اور پہرے داروں کے سوا ہر شے سوئی ہوئی تھی۔ عَمرو گھومتا پھرتا ایک عالی شان باغ کے نزدیک پہنچا۔ وہاں بے شمار کافوری شمعیں روشن تھیں اور رات کے وقت بھی دن کا سا سماں تھا۔ اَن گنت آدمی باغ کے دروازے پر ہجوم کیے ہوئے تھے مگر قوی ہیکل حبشی پہرے دار کسی کو اندر گھسنے کی اجازت نہ دیتے تھے۔ باغ کے اندر ایک خوب صورت عمارت سنگِ مرمر کی بنی ہوئی تھی اور اُس میں سے کسی عورت کے گانے کی آواز آ رہی تھی۔ اس آواز پر لوگ جھوم رہے تھے۔ عَمرو نے ایک آدمی سے پوچھا۔

"کیوں بھائی، اِس عمارت میں کون رہتا ہے؟"

اُس آدمی نے اُوپر سے نیچے تک عَمرو کو دیکھا، پھر کہنے لگا "معلوم ہوتا ہے اِس شہر میں نئے نئے آئے ہو۔ اِس میں مسعودہ رہتی ہے۔ موسیقی کے فن میں رُوئے زمین پر کوئی اِس کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ دُور دُور سے بڑے بڑے

امیر، رئیس اور شہزادے اُس کا گانا سُننے آتے ہیں لیکن وہ کسی کو خاطر میں نہیں لاتی ۔ یہ لوگ اُس کے دروازے پر گھنٹوں بیٹھے رہتے ہیں جب اُس کا جی چاہتا ہے ، گانا سُناتی ہے اور دولت مندوں سے مُنہ مانگی رقم وصُول کرتی ہے۔ کبھی کبھی شطرنج بھی کھیلتی ہے اور جو شخص بازی ہار جائے اُس کی تمام دولت بھی جیت لیتی ہے ۔اس طرح صعُودہ نے نے ہزاروں کو مُفلس اور کنگال کر دیا ہے۔"

عمُرو یہ باتیں سُن کر حیران ہُوا ۔ پھر ایک جانب ہٹ کر ایک شہزادے کا بھیس بھرا اور دروازے پر آن کر پہرے داروں سے کہا ،" جاؤ صعُودہ کو خبر کرو کہ ایران سے ایک شہزادہ آیا ہے اور گانا سُننا چاہتا ہے ۔مُنہ مانگا مُعاوضہ ادا کرے گا۔"

پہرے داروں نے فوراً صعُودہ کو خبر کی ۔اُس نے کہا کہ شہزادے کو عزّت کے ساتھ لے آؤ ۔عمُرو عیّار اس تدبیر سے محل میں پُہنچا ۔صعُودہ کو دیکھا تو خُدا کی قُدرت پر عش عش کرنے لگا ۔ایسی حسین عورت آج تک اُس کی نظر سے نہ گُزری تھی ۔وہ کمخواب کا لباس پہنے ایک عالی شان تخت پر بیٹھی تھی ۔ سر پر سُنہری تاج تھا ۔لباس اور تاج میں ایسے قیمتی لعل اور یاقُوت جڑے تھے کہ جن کی مثال بڑے بڑے

بادشاہوں کے ہاں بھی نہ تھی۔ تخت کے اِرد گِرد شاہانہ فرش بچھا تھا اور جا بجا جواہر نگار مسندیں لگی تھیں جن کے اُوپر زربفت کے پردے جھل مل جھل مل کر رہے تھے۔ شیشے اور بلّور کے نہایت قیمتی برتن آبنوس کی میزوں پر دھرے تھے اور ان برتنوں میں لذیذ اور خوشبودار کھانے قرینے سے لگے تھے۔

صعُودہ نے مُسکرا کر عمرو کا اِستقبال کیا اور کہا "خوش آمدید آیئے تشریف رکھیے۔"

عمرو سلام کر کے ایک مسند پر بیٹھ گیا اور کہنے لگا "بہت دنوں سے آپ کے گانے کی تعریف سُنتا تھا آج آپ کی خدمت میں حاضر ہو ہی گیا۔ کچھ سنایئے۔"

یہ کہہ کر اُس نے اپنی جیب سے کبوتر کے انڈے کے برابر یاقوت نکالا اور صعُودہ کے سامنے رکھ دیا۔ صعُودہ نے یاقوت کو للچائی ہوئی نظروں سے دیکھا اور اُٹھا کر اپنی جیب میں رکھ لیا۔ اُس نے دل میں سوچا یہ ایرانی شاہزادہ تو واقعی بڑی دولت لے کر آیا ہے۔ نہ جانے اس یاقوت جیسے کتنے اور جواہر اس کے پاس ہوں گے۔ کوئی تدبیر ایسی کروں کہ سب ہتھیا لوں۔ اُس نے کہا۔
"ابھی تو آپ آئے ہیں۔ چند دِن یہاں آرام کیجیے۔ گانا

بھی سُن لیجیے گا۔ اِس وقت میرا دِل شطرنج کھیلنے کو چاہتا ہے۔ کہیے تو بساط بچھواؤں؟"

"ہاں ہاں ضرور" عَمرو نے کہا۔

صعُودہ نے تالی بجائی۔ اُسی لمحے ایک حبشی غلام نے شطرنج کی بساط لا کر بچھائی۔ صعُودہ نے ہاتھی دانت کے مُہرے سجائے اور کھیل شروع ہو گیا۔ صعُودہ جان بُوجھ کر پہلی بازی ہار گئی اور کہنے لگی۔

"اے شہزادے، تُم شطرنج اچھی کھیلتے ہو۔ لیکن یُوں خالی کھیلنے کا کیا مزا؟"

عَمرو نے کہا "میرے پاس اس وقت ایک سو یاقُوت ہیں۔ اگر میں دس بازیاں ہار گیا تو سب یاقُوت تُمہارے۔"

صعُودہ یہ سُن کر دِل میں بے حد خُوش ہُوئی اور سوچنے لگی یہ ایرانی شہزادہ مال دار ہونے کے ساتھ ساتھ بے وقُوف بھی ہے۔"

اُسی وقت شطرنج کی دُوسری بازی جمائی۔ عَمرو یہ بازی جان بُوجھ کر ہار گیا۔ اُس کے بعد وہ یکے بعد دیگرے آٹھ بازیاں ہارا۔ صعُودہ کی خُوشی کا کوئی ٹھکانا نہ تھا۔ اُس نے دِل میں کہا آخری بازی بھی جیت لینا کیا مُشکل ہے۔ اِس کے بعد سو یاقُوت میری ملکیت ہوں گے۔ اُدھر عَمرو بھی دِل

ہی دل میں حساب لگا رہا تھا کہ اگر آخری بازی میں صعُودہ اپنا تمام مال و اسباب داؤں پر لگا دے تو مزا آ جائے اُس نے صعُودہ سے کہا۔

" یہ دسویں اور آخری بازی ہے۔ اگر میں ہار گیا تو سو یاقوت تمہیں دے دُوں گا، لیکن تُم ہار گئیں تو مجھے کیا ملے گا؟"

" اے شہزادے، جو آپ فرمائیں گے میں پیش کروں گی۔" صعُودہ نے جواب دیا۔

" بہت بہتر۔ تب میری شرط یہ ہے کہ اگر آپ دسویں بازی ہار گئیں تو آپ کا یہ محل، تمام غُلام باندیاں، محل کا سارا سامان اور آپ کا تمام زر و جواہر میرے قبضے میں آ جائیں گے۔ بولیے یہ شرط منظور ہے؟"

صعُودہ تو اپنی جیت کی خُوشی میں ایسی مست تھی کہ اُس نے پُوری طرح یہ شرط سُنی بھی نہیں اور اقرار کر لیا کہ ہاں، ہار جانے کی صُورت میں یہ سب چیزیں شہزادے کی سمجھی جائیں گی۔"

دسویں بازی شرُوع ہُوئی تو صعُودہ نے شرُوع ہی میں ایسی چالیں چلیں کہ عمرو پریشان ہُوا۔ اُس نے توجّہ سے کھیلنے کی کوشش کی مگر بازی تو خُود بخُود صعُودہ کے حق میں جا

رہی تھی اور عمرو کا ہار جانا یقینی ہو گیا تھا۔ یہ دیکھ کر عمرو کی سِٹی گم ہوئی۔ سوچنے لگا اب کیا کروں۔ اگر صعُودہ ایسی ہی ہوشیاری سے کھیلتی رہی تو وہ بازی جیت جائے گی۔ اچانک دماغ میں ایک تدبیر آئی۔ اُس وقت ہوا کچھ تیز چل رہی تھی۔ عمرو نے ایسی چالاکی سے پھونک ماری کہ شطرنج کے نزدیک رکھی ہوئی شمع گُل ہو گئی۔ صعودہ نے اپنے غُلام کو آواز دی اور کہا۔

"جلدی سے دُوسری شمع لاؤ۔"

جتنی دیر میں غُلام دُوسری شمع لے کر آیا، اِتنی دیر میں عمرو نے مُہروں کی ترتیب بدل ڈالی۔ صعُودہ کو پتا بھی نہ چلا کہ عمرو نے کیا چالاکی کی ہے۔ کھیل شرُوع ہُوا تو صعُودہ بازی ہار گئی۔ اب تو اُس کے چہرے کا رنگ فق ہُوا اور غم کے مارے بے ہوش ہو گئی۔ عمرو نے اُس کے مُنہ پر پانی کے چھینٹے دیے تب ہوش میں آئی اور رو رو کر کہنے لگی۔

"اے شہزادے، تُم دُنیا میں پہلے آدمی ہو جس نے مُجھے ہرایا ہے۔ اب یہ محل اور اس کی تمام چیزوں کے مالک تُم ہو۔ میں یہاں سے فقیرنی بن کے نکل جاتی ہُوں۔"

یہ سُن کر عمرو نے قہقہہ لگایا اور کہا۔ "اے صعُودہ، میں

ایران کا شہزادہ ہوں۔ اِس جیسے بہت سے محل میرے پاس ہیں اور دولت کا تو کچھ اندازہ ہی نہیں۔ تمھارا محل اور اس کا سامان لے کر میں کیا کروں گا۔ یہ سب چیزیں تمھیں واپس دیتا ہوں۔ اب خوش ہو جاؤ اور مجھے گانا سناؤ۔"

صعودہ یہ بات سن کر عمرو کا منہ تکنے لگی۔ پھر خوش ہو کر بولی: "اے شہزادے آفریں ہے تیری سخاوت و ہمت پر۔ تو نے آج مجھے خرید لیا۔"

یہ کہہ کر غلاموں کو اشارہ کیا۔ انھوں نے طاؤس و رُباب لا کر سامنے رکھے اور صعودہ نے اپنی سُریلی آواز میں گانا شروع کیا۔ جب گا چکی تو عمرو نے بڑی تعریف کی۔ پھر کہنے لگا۔

"ناگوار نہ ہو تو میں بھی کچھ آپ کو سناؤں؟"

"اے شہزادے، ضرور سناؤ۔ اِس سے اچھی بات اور کیا ہو سکتی ہے۔"

اُس نے ظاہری طور پر تو یہ بات کہی مگر دل میں ہنستی تھی کہ مجھ سے اچھا گانے والا اِس دنیا کے پردے پر کون ہے۔ لیکن جب عمرو نے لحن داؤدی میں گانا شروع کیا تو محل کے در و دیوار وجد میں آ گئے، درخت جھومنے لگے اور گھونسلوں میں بسیرا کرنے والے پرندے بھی بے تاب

ہو کر باہر نکل کر فضا میں چکّر کاٹنے لگے۔ صعُودہ اور اُس کے لونڈی غلاموں کا یہ حال تھا کہ فرش پر لوٹتے تھے۔

عَمرو نے گانا ختم کیا تو صعُودہ اُس کے قدموں پر گر پڑی اور بولی۔ "قسم ہے مجھ کو پیدا کرنے والے کی کہ ایسا گانا آج تک نہ سُنا تھا۔ میں نے خواجہ عَمرو عیّار کے بارے میں سُنا تھا کہ وہ بہت اچھّا گانا گاتے ہیں .... مگر اے شہزادے! مجھے یقین ہے کہ خواجہ عَمرو تجھ سے اچھا نہ گاتے ہوں گے۔"

عَمرو نے سر جھکایا اور کہنے لگا "میں خواجہ عَمرو کے پیروں کی خاک بھی نہیں ہُوں۔ اُن سے اچھّا کیا گاؤں گا۔"

صعُودہ چند لمحے تک عَمرو کو غور سے دیکھتی رہی، پھر یک لخت اُس کا ہاتھ پکڑ کر کہنے لگی:

"اے شہزادے، سچ سچ بتا۔ کیا تُو عَمرو عیّار نہیں ہے؟"

عَمرو بے اِختیار ہنس پڑا اور کہا۔ میں تمھاری ذہانت کی داد دیتا ہوں۔ بے شک میں عَمرو ہُوں۔"

یہ کہہ کر صعُودہ کو اپنی اصلی صُورت دِکھائی۔ اُس نے عَمرو کے ہاتھ چُومے اور کہنے لگی۔

"تجھ جیسا باکمال دُنیا میں نہ ہو گا۔ خُدا کے لیے میری

مدد کر۔ تین آدمی ایسے ہیں جن کے ہاتھوں میں بہت پریشان ہوں۔ ان میں سے ایک گل باد عراقی، دوسرا مندیل اصفہانی اور تیسرا گرد عراقی ہے۔

"اے صعودہ، گھبرا مت۔۔۔ خدا نے چاہا تو یہ لوگ تیرا بال بھی بیکا نہ کر سکیں گے۔" عمرو نے کہا "اب میں سوتا ہوں۔ صبح کوئی تدبیر کروں گا۔"

صعودہ نے ایک سجے سجائے کمرے میں عمرو کو آرام دہ بستر پر سلا دیا اور خود اپنے کمرے میں جا کر سو رہی۔ لونڈیوں نے کافوری شمعیں گل کر دیں اور ہر طرف اندھیرا چھا گیا۔

ادھر عمرو عیار بے خبر سوتا تھا اور اُدھر گل باد عراقی کا ایک شاگرد صعودہ کے محل میں داخل ہوا۔ گل باد کو کسی نے خبر دی تھی کہ ایک ایرانی شہزادہ صعودہ کے محل میں آیا ہے۔ وہ یہ خبر سن کر بڑا حیران ہوا۔ اس نے دل میں کہا ایران کا شہنشاہ نوشیرواں اور وزیرِ اعظم بختک یہاں موجود ہیں۔ ان کی موجودگی میں یہ کون سا ایرانی شہزادہ ہے جو اصفہان میں آیا ہے۔ یکایک اُسے خیال آیا کہ یہ کہیں عمرو عیار نہ ہو۔ چنانچہ اُس نے فوراً اپنے ایک شاگرد کو صعودہ کے محل میں بھیجا تاکہ اُس شہزادے کا اتا پتا معلوم کرے۔

گل باد کا شاگرد بڑا چالاک تھا اُس نے ایک غلام کو

اشرفیوں کا توڑا رشوت میں دے کر یہ معلوم کر لیا کہ ایرانی شہزادہ کس کمرے میں سو رہا ہے۔ جب وہ اس کمرے میں گیا اور شہزادے کی شکل غور سے دیکھی تو سمجھ گیا کہ یہ عمرو عیار کے سوا اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ اس نے فوراً جیب سے ایک شیشی نکال کر عمرو کی ناک کے قریب رکھی۔ اس میں ایسی بو تھی کہ ناک میں جاتے ہی عمرو بے ہوش ہو گیا۔ گل باد کے شاگرد نے عمرو کے ہاتھ پیر رسّی سے باندھے اور وہاں سے بھاگا تاکہ اپنے استاد کو اس کارنامے کی خبر پہنچائے۔

اُدھر عمرو کے بھانجے ابوالفتح کی آنکھ کھلی۔ دیکھا کہ ماموں جان اپنے بستر پر نہیں ہیں۔ وہ حیران ہوا کہ آدھی رات کو ماموں جان کہاں غائب ہو گئے۔ اس نے گھر میں اِدھر اُدھر تلاش کیا مگر پتا نہ چلا۔ تب ابوالفتح کو فکر ہوئی۔ اس نے کپڑے پہنے اور دروازہ کھول کر باہر نکلا۔ گھومتے گھومتے جب صعودہ کے محل کے نزدیک پہنچا تو دیکھا کہ گل باد عراقی کا ایک شاگرد دوڑتا ہوا محل میں سے نکلا ہے۔ ابوالفتح نے اُسے روک کر پوچھا۔

"کیوں جناب خیر تو ہے، آپ اتنی تیزی سے کہاں جا رہے ہیں؟"

"میاں لڑکے، میرا راستہ نہ روکو۔ میں نے عمرو عیّار کو آج پکڑ لیا ہے۔ اب اپنے اُستاد کو بتانے جاتا ہوں۔"

یہ سُن کر ابُوالفتح کے ہوش اُڑ گئے۔ جب گُل باد کا شاگرد نظروں سے اوجھل ہو گیا تو ابُوالفتح نے باغ کی دِیوار پر کمند پھینکی اور اُوپر چڑھ کر اندر کُود گیا۔ پہرے داروں اور غلاموں کی نِگاہوں سے بچتا بچاتا آخر کار اُس کمرے میں جا نِکلا جس میں عمرو عیّار بندھا پڑا تھا۔ ابُوالفتح نے اُسے ہِلا جُلا کر بیدار کرنے کی کوشش کی مگر ناکام رہا۔ تب احساس ہُوا کہ ماموں جان بے ہوش پڑے ہیں۔ ابُوالفتح کی سمجھ میں اور کوئی تدبیر نہ آئی تو جھٹ ایک تکیے میں سے تھوڑی سی روئی نکال کر بتّی بنائی اور عمرو کی ناک میں دی۔ اُسی وقت عمرو نے چھینک ماری اور آنکھیں کھول دیں۔ کیا دیکھتا ہے کہ ابُوالفتح سامنے کھڑا ہنس رہا ہے۔ عمرو نے سمجھا کہ اِسی نے مُجھ کو شرارت سے باندھا ہے۔ ناراض ہو کر کہنے لگا۔

"اے شریر بھانجے، تجھے اپنے ماموں کے ساتھ ایسا بے ہُودہ مذاق کرتے ہُوئے شرم نہ آئی۔ جلد میرے ہاتھ پاؤں کھول ورنہ ایسی مرمّت کروں گا کہ ساری زندگی یاد کرے گا۔"

ابُوالفتح نے کہا۔ "ماموں جان آپ بھی عجیب آدمی ہیں بھلا

مجھے کیا ضرورت تھی کہ ایسی بے ادبی کرتا۔ یہ سب کیا دھرا گُل باد عراقی کے ایک شاگرد کا ہے۔ اب وہ اپنے اُستاد کو خبر کرنے گیا ہے۔ میں تو خود آپ کی تلاش میں تھا۔"

اب تو عمرو سخت گھبرایا۔ گڑگڑا کر کہنے لگا۔ "پیارے بیٹے ذرا جلدی سے یہ رسیاں کھولو۔ آج تم نے ایسا کام کیا ہے کہ جس کا بدلہ میں کبھی نہیں دے سکتا۔"

ابُوالفتح نے عمرو کو آزاد کرایا۔ اِتنے میں ایک کنیز اُدھر سے گزری۔ عمرو نے جھٹ اُسے پکڑ کر دوائے بے ہوشی سُنگھائی، پھر اُس کا حُلیہ اپنے ہی جیسا بنا کر رسیوں سے باندھا اور مسہری پر ڈال دیا۔ اُس کے مُنہ میں کپڑا بھی ٹھونس دیا تاکہ چلّا بھی نہ سکے۔ اِس کے بعد دونوں ماموں بھانجے ایک بڑے پردے کے پیچھے چُھپ کر کھڑے ہو گئے۔

تھوڑی دیر بعد محل میں غُل مچا، روشنی ہُوئی۔ پھر گُل باد اپنے شاگردوں کے ساتھ وہاں آیا۔ وہ نقلی عمرو کو رسیوں میں جکڑا دیکھ کر بے حد خُوش ہُوا۔ حکم دیا کہ جلد مسعُودہ کو یہاں لے کر آؤ۔ اُس کے شاگرد گئے اور صعُودہ کو لے آئے۔ اب جو اُس نے عمرو کو اس حال میں دیکھا تو رونے لگی۔

اور گُل باد سے کہا۔

"اگر تُم وعدہ کرو کہ عمرو عیّار کو قتل نہ کرو گے تو میں تُم سے شادی کرنے کے لیے تیّار ہُوں۔"

گُل باد یہ سُن کر ہنسا اور کہنے لگا۔" اے صعُودہ، افسوس کہ تُو بھی عمرو کے ساتھ قتل ہو گی۔ کیا جانتی نہیں کہ عمرو سرکاری مُجرم ہے۔ بادشاہ نے اس کی تلاش میں دن رات ایک کر دیا ہے۔ اب دیکھ کہ تیرے سامنے ہی اِسے موت کے گھاٹ اُتارتا ہُوں۔"

یہ کہہ کر گُل باد نے اپنی تلوار نیام سے کھینچی، پھر نقلی عمرو کو ہوش میں لایا۔ بے چاری کنیز نے گُل باد کو ہاتھ میں تلوار لیے دیکھا تو خوف سے کانپنے لگی اور زنانہ آواز میں چِلّا اُٹھی۔

"میں نے کیا قصُور کیا ہے جو مُجھے مارنے کے درپے ہو۔"

"چُپ۔ زنانہ آواز نکال کر مُجھے بے وقوف بناتا ہے لیکن یاد رکھ تیری ساری عیّاری دھری رہ جائے گی۔"

"خُدا کے لیے مُجھے بچاؤ۔ گُل باد مُجھے مارے ڈالتا ہے۔" کنیز نے صعُودہ سے فریاد کی۔

اب صعُودہ بھی سمجھی کہ عمرو نے عیّاری کا کمال دکھایا ہے۔ اس کنیز کو اپنی صُورت پر بنا کر نکل گیا ہے۔ ایسا نہ

ہو کر یہ بدنصیب عمرو کے دھوکے میں جان سے جلے۔ یہ سوچ کر گل باد سے کہنے لگی۔ لعنت ہو تم پر اور تمھاری سمجھ بوجھ پر ــــ میری ایک معمولی کنیز پر تلوار لے کر کھڑے ہو گئے اور سمجھ رہے ہو کہ یہ عمرو عیار ہے۔"

اب تو گل باد عراقی شرمندہ ہوا۔ تاہم شبہ مٹانے کے لیے آگے بڑھ کر کنیز کو غور سے دیکھا بھالا۔ پھر اپنے شاگرد پر غصّہ اُتارنے لگا۔

"ابے گدھے، تُو نے مجھے ناحق پریشان کیا۔ یہ عمرو عیار کہاں ہے؟"

شاگرد کیا جواب دیتا۔ گردن جھکا کر خاموش کھڑا رہا۔ اب صعودہ بھی شیر ہو گئی۔ جھلّا کر کہنے لگی۔ تم حد سے بڑھتے جاتے ہو۔ میں بادشاہ سے تمھاری شکایت کروں گی۔ تمھیں بغیر اجازت میرے محل میں آنے کی جرأت کیسے ہوئی؟"

گل باد کو اور کچھ نہ سوجھا تو بے اختیار اپنے شاگرد کو پیٹنے لگا اور صعودہ سے معافی مانگ کر بولا۔ آئندہ ایسی گستاخی نہ ہو گی۔"

یہ کہہ کر اپنے شاگردوں کو ساتھ لیا اور محل سے باہر نکل گیا۔

گل باد کے جانے کے بعد عمرو عیار اور اُس کا بھانجا

پردے کے پیچھے سے قہقہے مارتے ہوئے نکلے۔ صعودہ انھیں دیکھ کر حیران ہوئی۔ پھر عمرو نے کنیز کا حلیہ تبدیل کیا اور وہ بے چاری اپنی اصلی صورت پر آ گئی۔ عمرو وہاں سے رخصت ہو کر اپنی بہن کے گھر آیا۔

اگلے روز عمرو نے مالن کا بہروپ بھرا اور صعودہ کے محل میں پہنچا۔ اتفاق سے مہلیل، شہزادہ ہرمز اور بختک بھی آئے ہوئے تھے اور ایک چبوترے پر بیٹھے تفریح کر رہے تھے۔ یکایک گل باد نے دیکھا کہ ایک مالن، پھولوں سے بھری ٹوکری سر پر دھرے مٹکتی ہوئی آ رہی ہے۔ گل باد کو شک ہوا کہ عمرو عیار نہ ہو۔ یہ خیال آتے ہی مالن کو آواز دی۔

"او مالن، اِدھر آ۔ کہاں جاتی ہے؟"

گل باد کی آواز سن کر مالن رک گئی اور وہیں سے پکار کر کہنے لگی "خدا کی شان.... اب تم بھی ہمیں یوں ٹوکنے لگے۔"

"زیادہ باتیں نہ بنا اور یہاں آ کر اپنی ٹوکری ہمیں دکھا" گل باد نے کہا اور چبوترے سے اتر کر مالن کی طرف بڑھا اُدھر عمرو بھی سمجھ گیا کہ گل باد نے پہچان لیا ہے۔ وہ اُلٹے پیروں بھاگا۔

گل باد نے غل مچایا۔ "لینا۔۔۔ پکڑنا۔۔۔ جانے نہ پائے ۔۔۔ یہ عمرو عیار ہے۔"

گل باد کی چیخ پکار سنتے ہی ہر طرف افراتفری مچ گئی۔ اس کے شاگرد اور عیار مالن کو پکڑنے کے لیے دوڑے۔ لیکن مالن اُن کے ہاتھ کیسے آتی۔ وہ سارے محل میں اُنھیں نچاتی پھر رہی تھی۔ آخر اُس نے ٹوکری میں سے پھول نکال نکال کر گل باد کے شاگردوں اور عیاروں پر پھینکنے شروع کیے۔ ان پھولوں میں یہ اثر تھا کہ جس کے منہ پر لگتا وہی بے ہوش ہو کر گر جاتا۔ گل باد، مہلیل، بختک اور شہزادہ ہرمز سب بے ہوش ہو گئے۔ آخر میں گل باد کا ایک شاگرد باقی بچا۔ اُس کا نام مہتر شان تھا۔ مالن نے کئی مرتبہ اُس پر پھول پھینکا، مگر وہ ہر مرتبہ بچ جاتا۔ آخر اُس نے ایک جگہ عمرو کو روک ہی لیا۔ دونوں میں ہاتھا پائی ہونے لگی۔ عمرو نے اڑنگے پر لا کر ایسی پٹخنی دی کہ مہتر شان چاروں شانے چت پڑا نظر آیا۔ عمرو نے جھٹ دوائے بے ہوشی اس کی ناک میں رکھی۔ مہتر شان بے خبر ہوا۔ عمرو نے اُس کے کپڑے اُتارے اور ایک گڑھے میں پھینک دیا۔ پھر خود اُس کے کپڑے پہنے، اپنی شکل اُسی کی سی بنائی اور صعودہ کے باغ میں آیا۔ اس اثنا میں گل باد، بختک، مہلیل اور

ہرمز وغیرہ سب ہوش میں آ چکے تھے۔ اُنھوں نے مہتر شان سے پُوچھا کہ عمرو کہاں گیا؟ وہ سر پر ہاتھ مار کر بولا۔

"کیا بتاؤں کہاں گیا۔ وہ آدمی نہیں، چھلاوہ ہے۔ اُسے پکڑنا خالہ جی کا گھر نہیں ۔۔۔ وہ مجھ سے کہنے لگا کہ اے مہتر شان میں تمھارے ہاتھ نہ آؤں گا۔ ایک بات سُن اور جا کر اپنے آقا گُل باد سے کہہ دے۔ پھر اُس نے ایسی بات کہی کہ میرا خُون کھول گیا۔"

"جلدی بتا اُس نے کیا بات کہی تھی؟" گُل باد نے پُوچھا۔

"جناب وہ بات آپ کے کان میں کہوں گا۔" مہتر شان نے کہا۔ تب گُل باد اُس کے قریب اپنا کان لے گیا۔ اُسی وقت چٹاخ کی سی آواز سب نے سُنی اور دیکھا کہ مہتر شان نے ایک طمانچہ اس زور کا گُل باد کے گال پر مارا کہ پانچوں اُنگلیوں کا نشان اُبھر آیا۔ پھر وہ اُچھل کر دُور جا کھڑا ہُوا اور کہنے لگا۔

"اے گُل باد، میں عمرو ہُوں۔ ہمت ہے تو آ اور مجھے پکڑ لے۔"

بے چارہ گُل باد ہکّا بکّا اپنی جگہ کھڑا رہا۔ کسی کی جرأت نہ ہُوئی کہ عمرو پر ہاتھ ڈالے۔ پھر وہ ہنستا اور اکڑتا

ہوا وہاں سے چلا۔ اتنے میں بختک نے گل باد سے کہا۔
"لعنت ہے تمہاری عیاری پر۔ عمرو طمانچہ مار کر کس صفائی سے نکلا جاتا ہے۔"

یہ طعنہ سُن کر گل باد کو ہوش آیا۔ وہ عمرو کے پیچھے گیا۔ عمرو بھی غافل نہ تھا۔ اُس نے جھٹ جیب سے ایک پھول نکال کر گل باد کے مُنہ پر مارا۔ وہ اُسی وقت بیہوش ہوا۔ عمرو نے الیاس علیہ السّلام کے جال میں گل باد کو باندھا اور اُس کو کاندھے پر اُٹھا کر پکارا۔

"گل باد کے شاگردو، میں تمہارے اُستاد کو باندھ کر لیے جاتا ہوں۔ ہمت ہے تو مجھے روکو۔"

لیکن کسی کو آگے آنے کا حوصلہ نہ ہوا۔ نام گل باد کا بھائی گل باد عمرو کے پیچھے بھاگا۔ عمرو اتنی تیز دوڑا کہ گل باد بہت پیچھے رہ گیا۔ راہ میں دیکھا کہ ایک نوجوان دھوبی گدھے پر کپڑوں کی لادی رکھے ہوئے چلا جاتا ہے۔ عمرو اس دھوبی کے قریب آیا اور اپنا ہاتھ دھوبی کے مُنہ پر پھیرا۔ وہ فوراً بے ہوش ہو گرا۔ عمرو نے دھوبی کو اُٹھا کر ایک طرف دیوار کی آڑ میں ڈال دیا اور خود اُس کی صورت بنا لی۔ پھر گدھے پر سے لادی اُتار کر نیچے گل باد کو رکھا اور اُوپر کپڑوں کی لادی رکھ کر گدھے کو

ٹخ ٹخ ہنکاتا ہُوا دریا پر آیا۔ گُل باد کو ایک جانب دکھا اُس پر کُچھ کپڑے پھیلا دیئے اور آپ لنگوٹ کس کر چھوا چھُو کپڑے دھونے لگا۔

اِتنے میں گُل باد کا بھائی گُل باد عمزد کی تلاش میں دریا کے کنارے آیا اور سب دھوبیوں سے پُوچھنے لگا کہ اِدھر سے کوئی شخص کندھے پر گٹھڑی اُٹھائے گُزرا ہے؟ اس پر عمزد کہنے لگا۔

"ہاں ہاں، میں نے دیکھا ہے۔ وہ شخص مشرق کی طرف گیا ہے۔"

گُل باز نے عمزد کی جانب دیکھا اور اُسے کُچھ شبہ سا ہُوا۔ وہ آہستہ آہستہ اُس کے نزدیک آیا اور کہنے لگا "یہ تُو کِس کے کپڑے دھوتا ہے؟ ذرا دِکھا تو سہی۔"

عمزد نے تیوریاں چڑھا کر کہا "آپ کون ہوتے ہیں پُوچھنے والے؟ جانتے نہیں کہ میں صعُودہ کا دھوبی ہُوں اور اس لادی میں سب کپڑے صعُودہ کے ہیں۔"

یہ سُن کر گُل باد کو طیش آیا اور مُنہ میں جھاگ لا کر بولا "کیا بکتا ہے؟ کیسی صعُودہ اور کہاں کے کپڑے؟ جلد یہ لادی کھول۔"

"بہت اچھا۔ نتیجے کے ذِمہ دار آپ ہوں گے۔ آپ آ کر

خود لادی کھولیے اور دیکھ لیجیے۔"

یہ کہہ کر عمرو لادی اُٹھا کر ایک گوشے میں لے گیا۔ گل باد بھی سائے کی طرح اُس کے ساتھ تھا۔ اُس نے گرہ کھولی تو دیکھا کہ اُس کا بھائی گل باد بے ہوش پڑا ہے۔ تب گل باد نے لال پیلی نگاہوں سے عمرو کو دیکھا اور کمر سے خنجر نکال کر للکارا۔

"اب دیکھتا ہوں تمھیں کون بچاتا ہے۔"

یہ کہہ کر عمرو کی طرف جھپٹا۔ عمرو بھی غافل نہ تھا۔ گل باد کے ایسی لات جمائی کہ لڑھکنیاں کھاتا ہوا کئی گز دور ریت پر اوندھے منہ گرا۔ تب عمرو وہاں سے رفو چکر ہوا اور جاتے جاتے گل باد سے کہہ گیا۔

"اس وقت تو چھوڑے دیتا ہوں۔ آیندہ میرا پیچھا کیا تو ٹینٹوا دبا دوں گا۔"

گل باد نے بڑی مشکل سے گل باد کو ہوشیار کیا اور کہنے لگا۔

"بھائی جان، خدا کے واسطے عمرو عیار کا خیال چھوڑ دیجیے۔ آج اُس نے ہماری جان بخشی کی، ورنہ وہ چاہتا تو ہم دونوں کو ٹھکانے لگا سکتا تھا۔"

بھائی کی یہ بات سن کر گل باد سخت ناراض

ہوا۔ بولا۔

"بکو مت، عمرو کی کیا مجال کہ ہمیں کچھ نقصان پہنچائے وہ مجھ سے بڑا عیار نہیں ہے۔ ذرا دیکھتے جاؤ میں اس کی کیسی گت بناتا ہوں۔"

عَمرو عیّار گرفتار ہوتا ہے

منذیل اصفہانی کو جب گُل باد اور اُس کے بھائی گُل باد کے عَمرو کے ہاتھوں پٹنے کی خبریں ملیں تو وہ سخت ناراض ہُوا اور گُل باد سے کہنے لگا۔

"تُو واقعی بڑا بے حیا ہے، بار بار عَمرو سے جُوتے کھاتا ہے لیکن اُس کا خیال نہیں چھوڑتا۔"

گُل باد عراقی نے مُونچھوں پر تاؤ دیتے ہُوئے جواب دیا حضُور والا، آپ پریشان نہ ہوں بے شک عَمرو بھی عیّار ہے لیکن آپ کے اِس غُلام نے بھی چُوڑیاں نہیں پہن رکھی ہیں۔ اگر عَمرو کی دس عیّاریاں کامیاب ہوں گی تو کیا میری ایک عیّاری بھی کام نہ دِکھائے گی؟ میں اُسے گرفتار کر کے دِکھاؤں گا۔"

بختک نامُراد بھی اِن دونوں کی یہ بحث سُن رہا تھا ہنس کر گُل باد سے کہنے لگا۔"میاں گُل باد، ایک بات ہم

بتاتے ہیں، عمرو کو پکڑنا ہے تو صعودہ اور اس کے محل پر کڑی نظر رکھو۔ وہ وہیں پکڑا جا سکتا ہے۔"

مندیل نے بھی اس بات کی تائید کی۔ تب گل باد نے اپنے شاگردوں کو حکم دیا کہ صعودہ کے محل میں آنے جانے والوں کی نگرانی کریں اور جونہی انھیں کسی شخص پر عمرو عیار کا شک گزرے، فوراً مجھے اطلاع دیں۔ یہ کہہ کر گل باد آرام کرنے اپنے گھر گیا۔ پھر رات گئے اس کا شاگرد گرد عراقی ہانپتا کانپتا آیا اور کہنے لگا۔

"جلد چلیے۔ عمرو عیار صعودہ کے محل میں موجود ہے۔"

بختک نے یہ بھی ہدایت کی تھی کہ جب عمرو کے آنے کی خبر ملے تو مجھے بھی راستے میں سے لے لیا جائے۔ چنانچہ گل باد اور گرد عراقی اسی وقت بختک کے گھر گئے۔ اسے جگا کر سوار کرایا اور صعودہ کے محل کی جانب چل دیے۔ ادھر صعودہ نے اپنی ایک کنیز کو محل کی جنوبی کھڑکی میں بٹھا رکھا تھا کہ جونہی خطرہ دکھائی دے، فوراً اطلاع کرے۔ اس کنیز نے گھوڑوں کی ٹاپوں کی آواز سنی اور دور سے دیکھ لیا کہ بختک، گل باد اور گرد عراقی آئے ہیں۔ اس نے دوڑ کر صعودہ کو خبر کی۔ وہ اس وقت عمرو عیار کا گانا سن رہی تھی۔ یہ خبر سن کر وحشت زدہ ہوئی اور عمرو سے کہا "اے

عمرو، جلدی سے کہیں چھپ جا، ورنہ بُرا ہو گا۔"

عمرو ہنسا اور کہنے لگا "گھبراؤ مت۔ اطمینان سے اپنی جگہ بیٹھی رہو۔ دیکھ، میں کیا تماشا دکھاتا ہوں۔"

یہ کہہ کر ایک گوشے میں گیا اور اپنی صورت ایک کنیز کی سی بنا کر واپس آیا۔ صعودہ اُسے بالکل نہ پہچان سکی۔ سمجھی کہ میری کوئی کنیز ہے۔ اتنے میں گل باد، بختک اور گرد عراقی اس کمرے میں داخل ہوئے۔ صعودہ نے اُٹھ کر تعظیم دی اور کہا۔

"میری خوش نصیبی ہے کہ نوشیرواں کے وزیرِ اعظم تشریف لائے۔ فرمائیے کیا خدمت کروں؟"

بختک نے تو صعودہ کو باتوں میں لگایا اور گل باد و گرد عراقی نے چور نگاہوں سے اِدھر اُدھر دیکھنا بھالنا شروع کیا کہ عمرو کہاں ہے۔ اسی طرح صبح کے آثار نمودار ہو گئے مگر عمرو کا کہیں سُراغ نہ مِلا۔ ناشتے کے بعد بختک تو حقہ پینے لگا اور گرد عراقی نے صعودہ سے کہا۔

"ذرا کسی حجام کو تو بلوائیے۔ آ کر میرا خط بنا دے۔"

عمرو، جو کنیز کے بھیس میں قریب ہی با ادب کھڑا تھا، یہ سُن کر ایک کونے میں گیا اور اپنے آپ کو ایک بڈھے حجام میں تبدیل کر کے محل کے دروازے پر جا کھڑا ہوا۔ اپنے

میں مصعُودہ کا ایک غلام حجام کو بُلانے کے ارادے سے دروازے پر آیا۔ دیکھا کہ ایک حجام پہلے ہی سے موجود ہے اُسی کو ساتھ لے گیا اور گرد عراقی کے سامنے پہنچا دیا۔ گرد عراقی نے سر سے پیر تک حجام کا جائزہ لیا۔ پھر تیوری پر بل ڈال کر بولا:

"او بڈھے، تُو کہاں سے آیا ہے؟ ہم نے پہلے تجھے اس شہر میں کبھی نہیں دیکھا۔"

"حضُور کا اِقبال بُلند ہو۔ میں گاؤں کا رہنے والا ہُوں۔ روزگار کی تلاش میں اِدھر آیا ہُوں۔ کچھ غریب پروری فرمائیے۔"

اُس نے ایسی لچھے دار باتیں بنائیں کہ گرد عراقی خُوشی خُوشی حجامت بنوانے بیٹھ گیا۔ عَمرو دِل میں کہہ رہا تھا۔ "دیکھتا جا، کیسی حجامت بناتا ہُوں۔ زِندگی بھر یاد رکھے گا۔"

حجام نے چاندی کی کٹوری میں پانی بھرا۔ پھر اُسترا تیز کیا۔ اس کے بعد گرد عراقی کی ڈاڑھی مُونچھوں پر خُوب پانی لگایا اور اُسترے سے خط بنانے لگا۔ تھوڑی دیر بعد گرد عراقی کے ہاتھ میں شیشہ تھمایا اور کہا۔ "دیکھیے حضُور، کیسا عُمدہ خط بنایا ہے؟"

گرد عراقی کے آئینہ دیکھنے سے پہلے بختک اور گل باد کی نظر اُس پر پڑ گئی۔ وہ بے اِختیار قہقہے لگا کر ہنس

پڑے اور بولے "واہ بڑے میاں واہ - کیا خط بنایا ہے - تُم تو اپنے فن کے بادشاہ ہو بادشاہ "۔

گرد عراقی نے گھبرا کر آئینے میں اپنی صُورت دیکھی تو عجیب حُلیہ نظر آیا۔ دائیں طرف کی ایک مُونچھ اور بائیں جانب کی آدھی ڈاڑھی حجّام نے صفاچٹ کر دی تھی۔ گرد عراقی نے طیش میں آ کر حجّام سے کہا۔

"او بُڈھے - تیرا ستیاناس ہو - یہ کیسی حجامت بنائی ہے؟"

"سرکار، میں تو اِسی طرح کام کرتا ہُوں " یہ کہہ کر ایک چانٹا اِس زور کا گردِ عراقی کے مُنہ پر رسید کیا کہ اُس کی گردن چرخی کی طرح گھُوم گئی - پھر اُس نے ایک زبردست نعرہ لگایا۔

"جو جانتا ہے وہ جانے اور جو نہیں جانتا وہ آج جان لے کہ میرا نام عمرو ہے اور میں عیّاروں کا بادشاہ ہُوں"۔

یہ سُن کر گرد عراقی عمرو کو پکڑنے کے لیے اُٹھا، عمرو نے فوراً کھڑکی کے پاس جا کر نیچے چھلانگ لگا دی - گرد عراقی بھی اُس کے پیچھے کُود گیا مگر دو منزلے سے گر کر دونوں ہاتھ اور ٹانگیں ٹُوٹ گئیں - عمرو کو پکڑنے کے لالچ میں یہ خیال ہی نہ رہا کہ یہ کھڑکی دُوسری منزل کی ہے عمرو تو صاف نِکل گیا مگر گردِ عراقی خُون میں لت پت پڑی

طرح چلّا رہا تھا۔ آخر چند غُلاموں نے اُسے اُٹھایا اور شفا خانے لے گئے۔

اِدھر گُل باد بھی غافِل نہ تھا۔ وہ عَمرو کے تعاقب میں چلا اور چلتے چلتے ایک لق و دق صحرا میں جا نِکلا۔ کیا دیکھتا ہے کہ ایک ٹُنڈ مُنڈ درخت کے نیچے ایک جوگی دُھونی رمائے بیٹھا ہے۔ گُل باد نے سوچا اِس کے پاس چلو، اپنا حال بیان کرو اور پُوچھو کہ عَمرو عیار ہاتھ آئے گا یا نہیں۔ چُنانچہ اِس اِرادے سے جوگی کی طرف چلا۔ جب قریب پہنچا تو جوگی نے گردن اُٹھائی اور ہنس کر کہنے لگا۔

"تُو جس اِرادے سے آیا ہے، وہ اِرادہ ضرُور پُورا ہوگا۔

گُل باد حیران ہو کر پُوچھنے لگا۔ بھلا جوگی جی، یہ تو بتاؤ کہ میرا کیا اِرادہ ہے؟

"ارے بھائی، اِرادہ کیا۔ تُو عَمرو کو گرفتار کرنے آیا ہے نا؟ بس ہم نے کہہ دیا کہ اُسے پکڑ لینے میں ضرُور کامیاب ہو گا۔"

اب تو گُل باد کو پُورا یقین ہو گیا کہ جوگی بڑا پہنچا ہُوا ہے۔ جھٹ اُس کے قدموں پر گرا اور جیب سے پانچ روپے نِکال کر نذر کیے۔ جوگی نے خُوشی خُوشی وہ پانچ روپے

لے کر رکھ لیے۔ پھر اپنی جھولی میں سے ریوڑیوں کا دونا نکال کر گُل باد کو دیا اور کہا۔

"لے بیٹا، یہ ہمارا تبرک ہے۔ اِسے کھاتا چلا جا۔"

گُل باد نے ریوڑیاں لے لیں اور آگے بڑھا۔ ناگاہ خیال آیا کہ یہ جوگی کہیں عَمرو عیّار نہ ہو۔ یہ خیال آتے ہی ریوڑیاں ناک کے قریب لایا۔ اُن میں سے دوائے بے ہوشی کی بُو آئی۔ ریوڑیاں چُپکے سے ایک طرف پھینک دیں اور پلٹ کر کمند کا حلقہ جوگی پر ایسا پھینکا کہ وہ اِس میں بندھ گیا۔ جوگی چیختا ہی رہا کہ ارے ظالم یہ کیا بے ادبی کرتا ہے۔ فقیروں کو ستاتا ہے لیکن گُل باد نے ایک نہ سُنی اور جب جوگی کو اچھی طرح گرفت میں لے چُکا تو قہقہہ لگا کر بولا۔

"عَمرو عیّار کے بچّے ـــ اب دیکھتا ہُوں تُو میرے ہاتھ سے بچ کر کیسے جاتا ہے؟"

عَمرو نے بڑی منتیں کیں اور بار بار کہا کہ بابا، تُمھیں دھوکا ہُوا ہے، میں عَمرو عیّار ہرگز نہیں ہُوں لیکن گُل باد نے نہ چھوڑا اور گھسیٹتا ہُوا اپنے گھر لے گیا۔ وہاں اُس کو ایک اندھی کوٹھڑی میں بند کر دیا اور اپنی بیوی سے کہا۔

"خبردار، اس کوٹھڑی کے قریب بھی نہ جانا۔ اس میں ایک خوفناک بلا بند ہے۔"

پھر وہ نہا دھو، کپڑے بدل، مندیل اصفہانی اور نوشیرواں کو یہ خبر سُنانے کے ارادے سے چلا گیا۔ تھوڑی دیر بعد کوٹھڑی میں سے کسی بڈّھے کے رونے کی دردناک آواز سُنائی دی۔ گل باد کی بیوی یہ سُن کر بے چین ہو گئی اور دل میں کہنے لگی، نہ جانے میرا شوہر کسے پکڑ لایا ہے، ذرا پوچھنا تو چاہیے کہ یہ بدنصیب ہے کون۔ یہ سوچ کر کوٹھڑی کے نزدیک آئی اور کہنے لگی۔

"سچ سچ بتاؤ تم کون ہو؟ آدمی ہو یا شیطان... جن ہو یا بھوت؟"

اندر سے عمرو نے ہچکیاں لیتے ہوئے یوں جواب دیا۔

"اے بیٹی، کیا پوچھتی ہے۔ میں شیرازی کباب فروش ہوں۔ گل باد بہت دنوں سے میرے سر ہو رہا تھا کہ اپنی بیٹی کی شادی اس سے کر دوں مگر میں نہ مانتا تھا۔ آخر آج اس نے مجھے حیلے سے پکڑ لیا یہاں لا کر بند کر دیا اور خود نکاح پڑھوانے کے لیے قاضی کو بلانے گیا ہے۔"

یہ سُن کر گل باد کی بیوی کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ فوراً لونڈیوں کو حکم دیا کہ کوٹھڑی کھول کر اس

کباب فروش کو آزاد کرو۔ لونڈیوں نے دروازہ کھولا۔ عمرو عیّار سو سالہ بوڑھے کی صورت بنا کر باہر آیا اور گل باد کی بیوی کے سر پہ ہاتھ پھیر کر بولا۔

بیٹی، تیرا بڑا احسان ہے مجھ پر — اب تو ہرگز نہ گھبرائیو۔ میں جاتا ہوں اور اپنی برادری کے لوگوں کو جمع کر کے سارا قصّہ سناتا ہوں کہ گل باد زبردستی میری بیٹی سے شادی کر رہا ہے۔"

"ہاں ہاں بابا، جلدی جاؤ۔ ایسا نہ ہو کہ وہ موا شادی کر ہی لے۔ گھر آئے گا تو پھر اُسے مزا چکھاؤں گی۔"

عمرو تو دعائیں دیتا ہوا وہاں سے رفو چکر ہوا اور ادھر گل باد کی بیوی نے سب لونڈی غلاموں کو جمع کر کے کہا کہ اگر آج کسی نے میرا حکم نہ مانا تو سب کے کان ناک کٹوا دوں گی۔ حکم یہ ہے کہ جونہی گل باد گھر میں آئے، جوتیاں مار مار کر اُس کا بھیجا پلپلا کر ڈالو۔

اب ذرا گل باد کی خبر لیں کہ اُس پر کیا بیتی۔

جب وہ مندیل اصفہانی کے پاس پہنچا تو وہاں بختک بھی موجود تھا۔ گل باد نے دونوں کو جھک جھک کر سلام کیا اور کہنے لگا۔

"کیوں جناب، اگر عَمرو عیّار کو پکڑ کر آپ کے سامنے پیش کروں تو کیا اِنعام ملے گا؟"

مندیل نے اپنے گلے سے بیش قیمت موتیوں کا ہار اُتارا اور بختک نے یاقُوتی انگوٹھی —— پھر یہ دونوں چیزیں گُل باد کو دیتے ہُوئے کہا۔ "فی الحال تو یہ سنبھالو۔ اِس کے بعد تُمھیں کچھ اور دِیا جائے گا۔"

گُل باد نے سلام کر کے دونوں چیزیں لے لیں اور مزے لے لے کر عَمرو کو پکڑنے کی ساری داستان کہی۔ بختک بڑا ہوشیار آدمی تھا۔ فوراً کہنے لگا۔ گُل باد، تُم نے یہ کیا بے وقُوفی کی کہ عَمرو کو اپنے گھر پر چھوڑ آئے۔ ایسا نہ ہو کہ وہ تُمھاری بیوی کو دھوکا دے کر نکل بھاگے۔"

"اجی توبہ کیجیے۔ عَمرو تو کیا عَمرو کا باپ بھی وہاں سے نکل نہیں سکتا۔ میری بیوی سمجھ دار عورت ہے۔ عَمرو اُسے دھوکا نہیں دے سکتا۔"

"بہر حال میرا دِل کہتا ہے کہ عَمرو ضرور بھاگ نِکلا ہو گا۔ تُم دیر نہ کرو۔ فوراً جاؤ۔ بلکہ ٹھہرو۔ ہم بھی تُمھارے ساتھ چلتے ہیں۔"

مندیل اور بختک گُل باد کے ساتھ اُس کے گھر کی طرف

چل دیے۔ اتفاق سے عمرو بھی مندیل کے محل کی جانب جا رہا تھا۔ اُس نے جو ان تینوں کو آتے دیکھا تو سمجھ گیا کہ بختک اور مندیل میری گرفتاری کی خبر سن کر آ رہے ہیں اسی وقت سبز کمبل اوڑھ کر غائب ہو گیا اور ان کے پیچھے پیچھے ہو لیا تاکہ باتیں سُنے۔ بختک بار بار گُل باد سے یہی کہتا تھا کہ تُم نے بڑی حماقت کی کہ عمرو کو گھر پر چھوڑ آئے۔ اب وہ ہاتھ نہ آئے گا۔ گُل باد کہتا تھا جناب آپ کو تو رہ رہ کر دہشت ہوتی ہے۔ دُودھ کا جلا چھاچھ پھُونک پھُونک کر پیتا ہے۔ میں کئی مرتبہ عمرو سے چوٹ کھا چکا ہُوں لیکن اب کی بار وہ مجھے دھوکا نہیں دے سکتا۔"

غرض اسی طرح کی باتیں کرتے ہُوئے وہ گُل باد کے مکان پر آئے۔ توقع کے خلاف وہاں خاموشی تھی۔ گُل باد کا ماتھا ٹھنکا۔ تاہم جی کڑا کر کے گھر میں داخل ہُوا اور سیدھا اُس کوٹھڑی کی طرف گیا۔ کیا دیکھتا ہے کہ دروازہ چوپٹ کھُلا ہے اور عمرو غائب ہے۔ اب تو گُل باد کے ہاتھوں کے طوطے اُڑ گئے۔ اپنی بیوی سے پُوچھا۔

"اس کوٹھڑی میں میں نے عمرو عیّار کو بند کیا تھا کیا تُم نے اُسے رہا کر دیا؟"

یہ سنتے ہی گل باد کی بیوی نے آگے بڑھ کر ایک دو ہتڑ اُس کی پیٹھ پر مارا پھر لونڈیوں باندیوں کو اِشارہ کیا۔ وہ سب کی سب جُوتیاں اور لکڑیاں لے کر گل باد پر پِل پڑیں اور اُسے بے تحاشا پیٹنا شروع کیا۔ گل باد بُری طرح شور مچا رہا تھا کہ یہ کیا بدتمیزی ہے .... ہوش کی دوا کرو ... لیکن بیوی بار بار یہی کہتی تھی۔

"مجھ ہی کو فریب دینے پر تُل گیا ہے۔ بے چارے شبراتی کباب فروش کو حیلے بہانے سے پکڑ لایا اور آپ اُس کی بیٹی سے شادی کرنے کے درپے ہے۔ دیکھ ابھی تیرا خُون پیتی ہُوں۔"

بختک اور مندیل دُور کھڑے ہنستے تھے اور گُل باد فریاد کرتا تھا کہ مُجھے بچاؤ۔ مگر گُل باد کی بیوی سے سبھی ڈرتے تھے۔ کون سامنے آ کر اپنی بے عزّتی کراتا۔ اِتنے میں عُمرو بھی ایک لونڈی کی شکل بنا کر وہاں آیا اور گُل باد کے کئی چپت رسید کیے۔ پھر بختک کی جانب دیکھ کر گُل باد کی بیوی سے کہنے لگا۔

"اے بیگم، یہ دیکھو مُوا قاضی بھی آیا ہے۔"

یہ سنتے ہی بختک نے وہاں سے بھاگنے کی کوشش کی، گُل باد کی بیوی نے لپک کر اُسے پکڑ لیا اور مُنہ پر

جُوتے برسانے شروع کیے۔ بڑی مشکل سے محلے والوں نے آن کر بختک اور گُل باد کی جان بچائی۔ پھر بھی اِن کی اتنی مرمّت ہو چکی تھی کہ جو دیکھتا وہی مُنہ پھیر کر ہنسنے لگتا۔ مندیل اِن دونوں کو اِسی حالت میں لے کر نوشیرواں کے سامنے گیا نوشیرواں نے آنکھیں پھاڑ کر کہا۔

"خیر تو ہے، کیا کسی سے ہاتھا پائی ہو گئی؟ میں دیکھتا ہوں کہ تُمھارے کپڑے تار تار ہیں۔ سر اور ڈاڑھی مُونچھوں کے بال نُچے ہُوئے ہیں۔ جسم پر زخم ہیں اور اُن سے خُون رِس رہا ہے۔ آخر یہ ماجرا کیا ہے؟"

تب مندیل نے ہنس ہنس کر نوشیرواں کو سارا قِصّہ سُنایا وہ بھی اپنی ہنسی ضبط نہ کر سکا۔ اور قہقہہ لگا کر کہا۔

"ما بدولت نے تو پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ عمرو عیّار گُلباد کے بس کا نہیں ہے۔"

یہ سُن کر گُل باد نے شرم سے گردن جُھکا لی۔ آخر بختک نے اس کی سفارش کی۔ تب مندیل نے گُل باد کو خلعت دیا اور کہا کہ جب تک عمرو کو پکڑ کر میرے سامنے نہ لاؤ اُس وقت تک اپنی شکل نہ دِکھانا۔

گُل باد بے چارہ حیران پریشان دربار سے نِکلا اور سوچنے لگا کِدھر جاؤں۔ گھر جانے کی جُرأت نہ تھی۔ عمرو نے ایسا

گُل کھلایا تھا کہ بیوی اُس کی جانی دُشمن بن گئی تھی۔ آخر کوتوالی کے قریب پہنچا اور چبُوترے پر جا بیٹھا۔ جیبیں ٹٹولیں تو مندیل کا دیا ہُوا ہار اور بختک کی دی ہُوئی یاقُوتی انگوٹھی غائب تھی۔ اپنی قسمت کو کوسنے لگا کہ یہ سب کیا دھرا عمرو کا ہے۔ جب سے یہ منحُوس اصفہان میں آیا ہے، میرا دن کا چین اور رات کی نیند حرام ہو گئی ہے۔

گُل باد کئی دن تک گھر نہ گیا اور کوتوالی ہی میں رہا۔ وہ چُونکہ سارے شہر میں شیطان کی طرح مشہُور تھا اِس لیے اسے دیکھنے کے لیے کوتوالی کے باہر ہر وقت لوگوں کا ہجُوم رہنے لگا۔ ایک روز وہ کوتوالی کے چبُوترے پر رنجیدہ بیٹھا اسی سوچ میں گُم تھا کہ عمرو عیّار کو کہاں تلاش کیا جائے کہ یکایک اُس نے ایک بُڈھے کو دیکھا۔ یہ بُڈھا کمر جھکائے ایک لڑکے کا ہاتھ پکڑے چلا آتا تھا۔ پھر وہ ہجُوم کو چیرتا ہُوا کوتوالی میں آیا اور کوتوال سے کہنے لگا۔

"جناب میں ایک سوداگر ہُوں اور سرائے میں ٹھہرا ہُوا ہُوں۔ کل رات چوروں نے میرا سامان چُرا لیا ہے۔"

"بڑے میاں وہ سرائے کہاں ہے؟" کوتوال نے پُوچھا۔

"جناب، یہ سرائے گندے نالے کے قریب ہے۔ وہاں گائیں بندھتی ہیں اور اُس مقام پر تاڑ کے بُہت سے درخت بھی ہیں۔"

گل بادغور سے اُس بوڑھے کو دیکھ رہا تھا۔ اُسے شُبہ ہُوا کہ یہ کہیں عمرو عیار نہ ہو۔ چُپکے سے اپنے ایک شاگرد بہرام عراقی کو بُلایا اور اُس کے کان میں کہا: "جب یہ بُڈھا کوتوالی سے باہر نکلے تو اِس کے پیچھے پیچھے جاؤ اور معلوم کرو کہ یہ کہاں جاتا ہے۔ پھر واپس آ کر مجھے آگاہ کرنا۔"

اُدھر کوتوال نے بُڈھے سوداگر کی شکایت کوتوالی میں درج کی۔ پھر کہا۔

"بڑے میاں، گھبراؤ نہیں۔ تمہارا سامان مل جائے گا۔ ہم ابھی تفتیش کے لیے سرائے میں جاتے ہیں۔ تُم وہیں پہنچ کر ہمارا انتظار کرو۔"

بُڈھا سلام کر کے کوتوالی سے باہر نکلا۔ بہرام عراقی بھی اپنے اُستاد کی ہدایت کے مُطابق اُس کے تعاقب میں چلا۔ راستے میں ایک نان بائی کی دُکان تھی۔ بُڈھا وہاں پہنچا تو لڑکے نے کہا: "میں بھوکا ہُوں، مجھ کو یہاں کھانا کھلاؤ۔"

بُڈھا یہ سُن کر ناراض ہُوا اور کہنے لگا: "کھانا سرائے میں چل کر کھائیں گے۔ میرے پاس فضول خرچی کے لیے پیسے نہیں ہیں۔"

لڑکا رونے لگا اور ضد کی کہ میں تو نان بائی کی دُکان پر کھانا کھاؤں گا۔ ان میں تکرار ہو ہی رہی تھی کہ بہرام عراقی

آگے آیا اور بڈھے سے کہنے لگا۔

"قبلہ، آپ اِس شہر میں اجنبی معلوم ہوتے ہیں۔ اِس اِعتبار سے آپ ہمارے مہمان بھی ہیں۔ آئیے نان بائی کی دُکان پر تشریف رکھیے۔ کھانا میں کھِلاتا ہُوں۔"

یہ سُن کر بڈھے نے اُوپر سے نیچے تک بہرام عراقی کو دیکھا اور اُس کے ہونٹوں پر پُر اسرار مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ پھر کہنے لگا۔

"صاحب آپ کا بہت بہت شکریہ۔ واقعی ہم مسافر ہیں۔ یہ لڑکا نہایت ضدی ہے۔ خواہ مخواہ پریشان کرتا ہے۔"

غرض اِسی قسم کی باتیں کرتے ہُوئے یہ تینوں نان بائی کی دُکان میں داخل ہُوئے۔ بہرام عراقی نے کہا کہ بالا خانے پر چلے جائیے۔ میں شیرمال اور قورمہ وہیں بھیجتا ہُوں۔ آرام سے بیٹھ کر کھائیے گا۔ بڈھا اور لڑکا اُوپر چلے گئے۔

تھوڑی دیر بعد بہرام کھانا لے کر آیا اور تینوں مزے لے لے کر کھانے لگے۔ اِتنے میں ایک فقیر پھٹے حال بھیک مانگتا ہُوا آیا۔ بڈھے نے نان بائی سے کہا۔

"بھائی، تم اِس فقیر کو ایک اشرفی دے دو۔ میں لڑکے کو سرائے بھیج کر اشرفیاں منگواؤں گا تب تمھیں دے دُوں گا۔"

نان بائی نے ایک اشرفی فقیر کو دے دی اور وہ دُعائیں دیتا ہُوا چلا گیا۔ تھوڑی دیر بعد ایک اور نابینا فقیر آیا۔ بڈھے

نے اُسے بھی نان بائی سے دو اشرفیاں دِلوائیں۔ بہرام عراقی نے سوچا کہ یہ بُوڑھا بڑا سخی ہے اور خاصا مال دار معلوم ہوتا ہے۔

جب کھانے سے فارغ ہُوئے تو بُڈھے نے لڑکے کو ایک چابی دیتے ہُوئے کہا۔ تُم فوراً سرائے میں جاؤ اور میرے صندُوقچے میں سے ایک سو اشرفیاں نِکال کر لے آؤ۔"

لڑکا روانہ ہو گیا۔ بہرام عراقی نے پھر بُڈھے سے باتیں شرُوع کیں۔ اِتنے میں گُل باد عراقی بھی اپنے شاگرد کو ڈھونڈتا ہُوا اُدھر آ نِکلا۔ دیکھا کہ وہ نانبائی کی دُکان کے بالاخانے پر بیٹھا اُسی بُڈھے سے باتیں کر رہا ہے۔ گُل باد نے اِشارے سے بہرام کو بُلایا۔ بہرام نے بُڈھے سے کہا۔

"بڑے میاں، معاف کرنا۔ میں ابھی تھوڑی دیر میں آیا۔"

بُڈھے نے گردن اُٹھا کر دیکھا تو نیچے گُل باد عراقی کھڑا دکھائی دیا۔ سمجھ گیا کہ مُعاملہ نازک ہے۔ جیب سے چند پھل نِکال کر سامنے رکھ لیے۔ اِن سب میں بے ہوشی کی دوا مِلی ہُوئی تھی۔ اُدھر گُل باد نے بہرام سے پُوچھا۔

"کُچھ پتا چلا کہ یہ بُڈھا کون ہے؟"

"اُستاد مُجھے یقین ہے کہ یہ عَمرو عیّار ہی ہے۔" بہرام نے جواب دیا۔

یہ سُن کر گُل باد بے حد خُوش ہُوا۔ پھر سوچنے لگا کہ کس تدبیر سے عمرو کو قابو میں کیا جائے۔ اُس نے نان بائی سے فرنی کے پیالے لیے اور اُن پر بے ہوشی کی دوا چھڑک کر نان بائی سے کہا۔

تھوڑی دیر بعد یہ فرنی بالا خانے پر بھجوا دیجیو۔ اِس کی قیمت ہم ادا کریں گے۔"

یہ اِنتظام کر کے اُس نے بہرام عراقی کو بالا خانے پر بھیجا۔ اُس نے دیکھا کہ بُڈھے کے آگے پھل رکھے ہیں۔ بہرام کو دیکھتے ہی اُس نے کہا۔

"ارے میاں، اِتنی دیر کہاں لگائی؟ لو یہ کچھ پھل میں نے صُبح ناشتے کے لیے خریدے تھے۔"

بہرام عراقی نے ایک پھل اُٹھایا اور کھانا چاہتا ہی تھا کہ نان بائی کا نوکر فرنی کے پیالے لے کر آ گیا اور اُس نے ایک ایک پیالہ دونوں کے سامنے رکھ دیا۔ بہرام نے پھل دسترخوان پر رکھا اور بُڈھے سے کہنے لگا۔

"قبلہ یہ فرنی چکھ کر دیکھیے اِس شہر کا خاص تحفہ ہے۔ آپ ضرور پسند فرمائیں گے۔"

بُڈھے نے فرنی چکھی ہی تھی کہ بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ بہرام عراقی نے جھٹ پٹ اُس کی مشکیں باندھیں اور گُل باد

کو خبر کی۔ وہ اُسی وقت آیا، عَمْرو کو اُٹھا کر سیدھا مندیل اصفہانی کے دربار میں پُہنچا۔ اور آداب بجا لا کر بولا۔

"لیجیے حضُور، اب اِنعام دِلوائیے۔ عَمْرو عیار کو پکڑ لایا ہُوں۔"

یہ کہہ کر گٹھڑی کھولی اور اُس میں سے بُڈّھے کو نِکال کر اُس کی نقلی ڈاڑھی مُونچھیں اُکھاڑ ڈالیں۔ اب جو دیکھا تو بُڈّھے کے بجائے عَمْرو عیّار کی صُورت نظر آئی۔ بختک خُوشی سے بغلیں بجانے لگا اور نوشیرواں نے بھی خُوش ہو کر سب عیّاروں کو اِنعام دیا۔ پھر عَمْرو کو ہوش میں لائے۔ اُس نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اِردگِرد دیکھا۔ سمجھ گیا کہ پکڑا گیا ہُوں اور اب دُشمنوں کے ہاتھوں میں ہُوں۔ دیکھیے کیا سلُوک کرتے ہیں۔

وہ یہی سوچ رہا تھا کہ بختک مکّار نے گرد عراقی سے کہا "مسعُودہ کو بھی بُلاؤ اور اُس کے سامنے عَمْرو کو قتل کر دو۔"

یہ سُنتے ہی گرد عراقی صعُودہ کے محل کی جانب روانہ ہُوا۔ اُدھر صعُودہ کو بھی پہلے سے خبر ہو گئی تھی۔ اِتنے میں گرد عراقی شاہی غُلاموں اور سپاہیوں کی ایک فوج لے کر صعُودہ کے محل میں آیا اور اُس سے کہنے لگا کہ جلد اُٹھ اور مندیل کے دربار میں چل۔ تُجھے طلب کیا گیا ہے۔"

صعُودہ دربار میں آئی تو عُمرو بے اختیار ہنسا اور کہنے لگا۔ "موت اور زندگی خُدا کے اختیار میں ہے۔ یہ مسخرے تو میرا بال بھی بیکا نہ کر پائیں گے۔ تُم فکر نہ کرو۔"

یہ سُن کر صعُودہ کو کچھ تسلّی ہُوئی اور چُپ چاپ ایک جانب جا بیٹھی۔ بختک نے بے چین ہو کر مندیل اصفہانی کے کان میں کہا "حضور، اب دیر کا ہے کی ہے۔ جلد جلّاد کو طلب کیجیے اور اس مُوذی کی گردن اُڑائیے۔"

"نہیں۔ ابھی ہم اِس سے گانا سُنیں گے۔" مندیل نے جواب دیا۔ پھر عُمرو کی طرف مُنہ کر کے بولا۔

"اے عُمرو تُمھارا وقت پُورا ہو چُکا ہے۔ کہو تو ابھی گردن مار دُوں۔ لیکن کچھ مُہلت اور دیتا ہُوں اور وہ بھی اِتنی کہ ہمیں گانا سُنا دو۔"

"میں کبھی کسی کی فرمائش رد نہیں کرتا۔" عُمرو نے کہا۔ "لیجیے گانا سُنیے۔"

یہ کہہ کر اُس نے اپنا اِکتارہ نِکال کر بجانا شروع کیا اور پھر ایسا گایا کہ سماں بندھ گیا۔ یکایک حلیل وہاں آیا اور اُس نے مندیل سے کہا۔

"جہاں پناہ، محل میں دسترخوان بچھ چُکا ہے۔ چل کر خاصہ نوش فرما لیجیے۔ عُمرو کا گانا بعد میں سُن لیجیے گا۔"

یہ سُن کر سب کھانا کھانے چلے گئے۔ آدھ گھنٹے بعد واپس آئے تو عمرو نے پھر گانا شروع کیا۔ لیکن وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ سب اہلِ دربار آہستہ آہستہ بے ہوش ہو رہے ہیں۔ اتنے میں ایک نقاب پوش لڑکا آیا اور اس نے بختک، مندیل، ہلیل اور گُل باد عراقی وغیرہ کے ہاتھوں اور گلے سے قیمتی انگوٹھیاں اور ہار اُتار اُتار کر ایک جگہ جمع کرنے شروع کیے۔ اِس کام سے فُرصت پا کر وہ لڑکا عمرو کے نزدیک آیا اور کہنے لگا۔

"اے گویّے تُو کون ہے اور تجھے کِس جُرم میں پکڑا گیا ہے ؟"

"میں ایک غریب آدمی ہُوں۔" عمرو نے جواب دیا۔ "گُل باد عراقی مُجھے عمرو عیّار کے دھوکے میں پکڑ لایا ہے۔"

"جُھوٹ مت بول۔ سچ سچ اِقرار کر کہ تُو کون ہے" لڑکے نے کہا۔ "اگر تُو کہہ دے کہ میں ہی عمرو عیّار ہُوں تو ابھی تُجھ کو رہا کر دُوں گا۔"

عمرو نے دِل میں کہا کہ یہ لڑکا تو آفت کا پرکالہ ہے۔ اِس کی بات ماننی ہی پڑے گی۔ یہ سوچ کر مدّھم آواز میں کہا۔ "بے شک میرا نام عمرو ہے۔"

لڑکا کِھلکِھلا کر ہنسا۔ پھر کہنے لگا۔ اِس کاغذ پر یہ لکھ

دد کہ میں اس لڑکے کا شاگرد ہُوا۔"

"ہرگز نہیں،" عَمرو نے چِلّا کر کہا۔ "دُنیا کیا کہے گی کہ عَمرو عیّار ایک لڑکے کا شاگرد ہُوا۔"

"نہیں لکھتے تو نہ لکھو۔ میں اِن سب درباریوں کو ہوش میں لاتا ہُوں۔ وہ ابھی تُمھاری تِکّا بوٹی کر دیں گے۔"

اب تو عَمرو لڑکے کی بات مان لینے کے لیے مجبُور ہُوا۔ اُس نے فوراً کاغذ پر لکھ دِیا کہ یہ لڑکا میرا اُستاد ہے اور میں اس کا شاگرد۔ جب اُس نے یہ تحریر لڑکے کو دے دی تب لڑکے نے چہرے سے نقاب اُٹھایا۔ عَمرو اُس کی شکل دیکھتے ہی بے اِختیار چِلّا اُٹھا۔

"ابُوالفتح .... میرا بھانجا ...."

"جی ماموں جان۔" ابُوالفتح نے جُھک کر سلام کیا۔ پھر خنجر نِکال کر عَمرو کے ہاتھ پیروں پر بندھی ہوئی رسّیاں کاٹیں۔ آزاد ہوتے ہی عَمرو نے دربار کا سارا قیمتی سامان اُٹھا اُٹھا کر اپنی زنبیل میں ڈالا۔ انگوٹھیاں اور ہار ابُوالفتح نے سنبھالے۔ پھر عَمرو نے سب کے کپڑے بھی اُتار لیے۔ بیہوش صعُودہ کو اُٹھا کر زنبیل میں پھینکا اور اُس کے محل میں آیا۔ یہاں بھی عیّاری سے محل کا تمام سامان اور اُس کی خواصوں، کنیزوں کو بے ہوش کر کے زنبیل میں ڈالا اور اُسی

وقت شہر اصفہان سے نکل کر اپنے لشکر کی جانب چلا۔ راستے میں سرہنگ مصری سے ملاقات ہوئی۔ اُس نے بتایا کہ امیر حمزہ کا لشکر اصفہان کی جانب کُوچ کرتا چلا آتا ہے۔ اور اب مشکل سے دو منزل دُور رہ گیا ہے۔ یہ سُن کر عَمرو خُوش ہُوا اور حمزہ کے دربار میں آن کر سب کو جُھک جُھک کر سلام کرنے لگا۔ امیر حمزہ نے اُسے گلے لگایا اور کہا۔

"اے عَمرو تُو اتنے دن کہاں رہا؟ ہم سخت پریشان رہے۔"

"بھائی حمزہ، کُچھ نہ پُوچھو۔" عَمرو نے کہا۔ "اِس مرتبہ ایسے عیّاروں سے مُقابلہ ہو گیا ہے جو واقعی میری ٹکّر کے ہیں۔ بڑی مُشکل سے جان بچا کر آیا ہُوں۔"

یہ کہہ کر گُل باد عراقی اور صعُودہ کا سارا قِصّہ سُنایا مگر یہ نہ بتایا کہ صعُودہ کو ساتھ لایا ہُوں۔ دوستوں سے مِلنے مِلانے کے بعد عَمرو نے اپنا خیمہ الگ قائم کیا۔ پھر صعُودہ کو زنبیل سے نِکالا اور اُسے ہوشیار کیا۔ اُس نے پُوچھا۔

"اے عَمرو، تُم مُجھ کو کہاں لے آئے ہو؟"

"اِس وقت تُم امیر حمزہ کے لشکر میں ہو۔ عَمرو نے

جواب دیا۔

"میرا مال، اسباب اور کنیزیں کہاں ہیں؟ صعُودہ نے گھبرا کر کہا۔

"تب عمرو نے زنبیل سے صعُودہ کا تمام مال اسباب اور کنیزیں نکال دیں۔ یہ دیکھ کر صعُودہ دنگ رہ گئی اور کہنے لگی "اے عمرو، تُم آدمی ہو یا جن؟ ایسی کرامات تو دیکھی نہ سُنی۔"

عمرو بولا۔ جب تک تُمھارا جی چاہے، یہاں رہو۔ پھر مُجھے بتانا۔ میں تُمھیں واپس اصفہان کے محل میں چھوڑ آؤں گا۔"

رات کو کھانے سے فارغ ہو کر صعُودہ نے چنگ درباب سنبھالا اور گانا شروع کیا۔ اُس کی آواز عادی پہلوان کے خیمے تک پُہنچی۔ وہ اُس وقت اپنی لمبی چوڑی مسہری پر لیٹا خرّاٹے لے رہا تھا۔ یکایک اُس کی آنکھ کُھلی۔ اُٹھ کر باہر آیا اور عمرو کے خیمے کی جانب چلا۔ اندر جانے کی جُرأت نہ ہوئی کیونکہ عمرو کی حرکتوں سے ڈرتا تھا۔ آخر امیر حمزہ کی بارگاہ میں جا کر اُنھیں جگایا اور کہنے لگا۔

"دیکھیے حمزہ بھائی، یہ عمرو عیّار سب کی نیندیں حرام کرتا ہے۔ آدھی رات کو اُس کے خیمے میں سے گانے بجانے کی آوازیں آ رہی ہیں۔ ذرا معلوم تو کیجیے کہ یہ

کیا قصّہ ہے؟"

امیر حمزہ تعجّب کرنے لگے۔ پھر وہ عادی پہلوان کو لے کر عمرو کے خیمے کی جانب گئے۔ واقعی ساز بج رہے تھے۔ امیر حمزہ نے پکار کر کہا۔

"بھائی عمرو، کیا کر رہے ہو؟ اجازت ہو تو ہم بھی آئیں؟"

عمرو امیر حمزہ کی آواز سُن کر خیمے سے باہر آیا اور اُن کا ہاتھ پکڑ کر اندر لے جانے لگا۔ عادی پہلوان بھی آگے بڑھا مگر عمرو نے ڈانٹ کر کہا۔

تُم کو کس نے یہاں آنے کی اِجازت دی؟ جایئے تشریف لے جایئے۔ آپ کو موسیقی سے کیا دل چسپی ہے۔

عادی اس بات پر شرمندہ ہُوا اور بُڑبُڑاتا ہُوا چلا گیا۔ امیر حمزہ خیمے میں گئے تو صعُودہ نے اُٹھ کر ادب سے سلام کیا۔ تب عمرو نے اُنھیں سارا قِصّہ سُنایا۔ صُبح اُنھوں نے ملکہ اطلس پوش سے صعُودہ کا ذکر کیا۔

اِتنے میں کنیزوں نے اِطّلاع کی کہ عمرو عیّار صعُودہ کو لے کر آیا ہے اور ملکہ اطلس پوش کی قدم بوسی کرنا چاہتی ہے۔ ملکہ نے کہا "آنے دو۔" صعُودہ نے آکر ملکہ کو سلام کیا۔ اطلس پوش اُسے دیکھ کر بے حد خوش ہُوئی۔

اور اپنے پاس بٹھایا۔ پھر اُس نے جواہر خانے سے اپنا خاص صندوقچہ منگوا کر اُس میں سے ایک بیش قیمت ہار نکالا اور صعُودہ کو عطا کیا۔

اِس کے بعد صعُودہ اطلس پوش سے رُخصت ہو کر اپنے خیمے میں آئی۔ عُمرو نے اپنے سب شاگردوں کو ہدایت کر دی تھی کہ صعُودہ کے خیمے کی حفاظت کرنا۔ ایسا نہ ہو کہ گُل بادِ عراقی کسی حیلے سے اُسے نِکال کر لے جائے۔

نئی مُصیبت

امیر حمزہ کا لشکر اصفہان سے کچھ دُور ہی تھا کہ شہزادہ قباد شہریار اکیلا ایک غائب ہو گیا۔ اُس کے یُوں غائب ہو جانے سے سارے لشکر میں غُل مچ گیا اور ایسی افراتفری مچی کہ بیان سے باہر ہے۔ امیر حمزہ سخت بدحواس اور پریشان تھے اور عُمرو عیّار بھی مارا مارا پھرتا تھا۔ مگر قباد شہریار کو کہیں نہ پاتا تھا۔ آخر گھُومتے گھُومتے کئی کوس مشرق کی جانب نکل گیا۔ وہاں ایک پہاڑی دکھائی دی جس کی چوٹی آسمان سے باتیں کرتی تھی۔ عُمرو عیّار اس چوٹی پر چڑھا اور چاروں طرف نگاہ دوڑائی۔ کیا دیکھتا ہے کہ جنُوب کی جانب میلوں تک خیمے لگے ہُوئے ہیں اور ایک عظیم فوج ٹھہری ہُوئی ہے۔ عُمرو چوٹی سے اُترا اور صُورت بدل کر لشکر میں آیا۔ وہ ایک شاہانہ اور نہایت عالی شان خیمے کے قریب پہنچا۔ وہاں دیکھا کہ مالک اژدر

اور دو عیّار پاس کھڑے باتیں کرتے ہیں۔ ان میں سے ایک عیّار دراز عرب اور دوسرا اُس کا شاگرد شباہنگ تھا۔ سامنے ہی لکڑی کے ایک ستون سے شہزادہ قباد شہریار بندھا کھڑا تھا اور مالک اژدر اُس سے کہہ رہا تھا۔

"اے شہزادے، اب بھی ہماری بات مان جا اور امیر حمزہ کا دین چھوڑ کر اپنے نانا نوشیرواں کا دین قبول کر لے ورنہ جان سے مارا جائے گا۔"

شہزادے نے نفرت سے زمین پر تھوکا اور کہا "اے بزدل میں تجھ پر اور تیرے مذہب پر ہزار لعنت بھیجتا ہوں۔"

یہ سن کر مالک اژدر کو طیش آیا۔ کہنے لگا، بھلا دیکھیں تو اب کیسے بچتا ہے۔ اسی وقت جلّاد کو طلب کیا اور حکم دیا کہ قباد شہریار کی گردن تن سے جدا کر دے۔ جلّاد نے اپنا چمکتا ہوا کلہاڑا اٹھایا۔ عین اسی لمحے ایک وزنی پتھر ہوا میں سنسناتا ہوا آیا اور جلّاد کے اس زور سے لگا کہ اس کا شانہ اُتر گیا۔ اس کے ہاتھ سے کلہاڑا چھوٹ گیا اور تکلیف سے چلّانے لگا۔ تب مالک اژدر نے دوسرے جلّاد کو طلب کیا۔ اس نے جونہی قباد کو مارنے کے لیے کلہاڑا اٹھایا، ایک اور پتھر اڑتا ہوا آیا اور جلّاد کے سر پر اس طرح لگا کہ اس کا بھیجا باہر آ گیا۔ مالک اژدر

یہ دیکھ کر خوف زدہ ہُوا اور شباہنگ سے کہنے لگا۔
"یہ پتھر کہاں سے آتے ہیں؛ ضرور کوئی شرارت کر رہا ہے۔ ذرا معلوم تو کرو۔"

شباہنگ تو پتھر پھینکنے والے کی تلاش میں نکلا اور ادھر مالک اژدر نے تیسرے جلّاد کو طلب کیا۔ اُس نے قباد کی گردن اُڑانے کے لیے جُونہی تلوار اُٹھائی، تیسرا پتھر آیا اور اِس زور سے جلّاد کی چھاتی پر لگا کہ وہ اوندھے مُنہ نیچے گرا اور گرتے ہی مر گیا۔ اب تو مالک اژدر کے خوف کی اِنتہا نہ رہی۔ لیکن دراز عرب بڑا ہوشیار تھا۔ اُس کی دُور بین نگاہوں نے پتھر پھینکنے والے شخص کو دیکھ لیا تھا۔ اُس نے اپنے عیّاروں کو حُکم دیا کہ پیادوں میں ایک شخص سبز پگڑی باندھے کھڑا ہے۔ اُسے پکڑ کر میرے پاس لے آؤ۔"

دراز عرب کے عیّار عُمرو کو پکڑنے کے لیے دوڑے مگر وہ ہرن کی طرح چوکڑیاں بھرتا ہُوا صاف نکل گیا اور نعرہ مارا کہ اگر کسی نے قباد شہریار کا بال بھی بیکا کیا تو اُسے زندہ نہ چھوڑوں گا۔ سب عیّار ایک ایک کر کے پیچھے رہ گئے۔ لیکن شباہنگ برابر عُمرو کے پیچھے دوڑتا رہا۔ آخر عُمرو نے جیب سے ایک پُڑیا نکال کر شباہنگ کی طرف پھینکی۔ اِس میں دوائے بے ہوشی بھری تھی۔ جُونہی

اُس کی بُو شباہنگ کی ناک میں پہنچی۔ اُسی دم غش کھا کر زمین پر گِر گیا۔ عَمرو نے اُسے گھسیٹ کر ایک گڑھے میں ڈالا۔ خُود اُس کی صُورت بنا کر واپس آیا اور مالک اژدر کے برابر آن کھڑا ہُوا۔ اُس نے پُوچھا۔

"کیا عَمرو بچ کر نِکل گیا؟"

"جی ہاں۔ مَیں اُسے اِتنی دُور پہنچا آیا ہُوں کہ اب اُس کا واپس آنا محال ہے۔" نقلی شباہنگ نے جواب دیا۔ پھر مالک اژدر نے جھٹ جلّاد کو طلب کیا اور حُکم دِیا کہ قباد کی گردن اُڑا دے۔ اِس پر نقلی شباہنگ نے آگے بڑھ کر مالک اژدر سے کہا۔

"قباد کو قتل کرنے میں جلد بازی سے کام نہ لیجیے۔ وہ امیر حمزہ کا بیٹا اور نوشیرواں کا نواسا ہے۔ ایسا نہ ہو کہ کل کلاں نوشیرواں اِس کے خُون کا بدلہ آپ سے لے۔"

مالک اژدر یہ سُن کر سوچ میں پڑ گیا اور اشارے سے جلّاد کو منع کیا کہ پیچھے ہٹ جا۔ یہ دیکھ کر دراز عرب کو طیش آیا۔ وہ چیخ کر کہنے لگا:

"اے مالک اژدر، کیا ہم امیر حمزہ اور نوشیرواں سے ڈر جائیں گے؟ اگر قباد کو قتل نہ کیا گیا تو یہ ہماری

بُزدلی ہوگی اور سب جگہ ہمارا مذاق اُڑے گا۔ بہتر یہی ہے کہ اِس کا سر قلم کرو تاکہ امیر حمزہ اور نوشیرواں دونوں پر ہماری ہیبت بیٹھے۔"

مالک اژدر اب بھی قباد کے قتل پر آمادہ نہ ہُوا۔ تب دراز عرب نے اپنی تلوار میان سے کھینچی اور دانت پیستا ہُوا قباد شہریار کی طرف بڑھا مگر نقلی شباہنگ نے ایک نعرہ مار کر خنجر نکالا اور دراز عرب پر حملہ کیا۔ دراز عرب لہو لہان ہو کر زمین پر گرا اور تڑپنے لگا۔ مالک اژدر نے حیران ہو کر کہا۔

"اے شباہنگ، تجھے کیا ہُوا۔ اپنے اُستاد کو زخمی کر دیا۔

شباہنگ نے قہقہہ لگایا اور کہا۔ میں عَمرو عیّار ہُوں۔ خبردار کسی نے قباد کی طرف ٹیڑھی آنکھ سے دیکھا تو آنکھیں نکال دوں گا۔"

یہ سُن کر مالک اژدر کی سٹّی گم ہُوئی۔ کلیجا بیٹھنے لگا ہاتھ جوڑ کر کہنے لگا۔ اے عَمرو عیّار، میں تو پہلے بھی قباد کو مارنے کے حق میں نہ تھا۔ لیکن اس کم بخت دراز عرب نے مجھے مجبور کر دیا تھا — اچھا ہُوا تم نے اِس مردود کو سزا دی۔ میں خوشی سے قباد کو آزاد

کرتا ہوں۔ لیکن امیر حمزہ سے میری شکایت نہ کرنا۔"

قِصّہ مُختصر عَمرو شہزادہ قباد کو آزاد کرا کے اپنے ساتھ امیر حمزہ کے پاس لایا۔ اُنھوں نے بیٹے کو صحیح سلامت دیکھا تو بے حد خُوش ہُوئے اور خُدا کی بارگاہ میں سجدۂ شُکر ادا کیا۔

امیر حمزہ ابھی اصفہان پر حملہ کرنے بھی نہ پائے تھے کہ ایک عجیب واقعہ پیش آیا۔

گرد عراقی شکار کھیلنے کے لیے کسی جنگل میں گیا۔ وہاں کسی نے اُس کے سینے پر ایسا وزنی پتّھر کھینچ مارا کہ اُس کی ہڈیاں پسلیاں چُرچُرا گئیں اور وہ وہیں تڑپ تڑپ کر مر گیا۔ اُس کے ساتھی لاش لے کر نوشیرواں کی بارگاہ میں آئے اور رو رو کر یہ واقعہ بیان کیا۔ مندیل گُل باد، بختک اور مہلیل سب کو گرد عراقی کی لاش دیکھ کر صدمہ ہُوا۔ مگر بختک کے ذہن میں ایک انوکھی تدبیر نے جنم لیا۔ اُس نے مندیل سے کہا۔

"اگر آپ میری بتلائی ہُوئی تدبیر پر عمل فرمائیں تو یقین ہے کہ عَمرو عیّار خُود بخُود آپ کے قابُو میں آ جائے گا۔"

یہ سُن کر مندیل اور نوشیرواں کی آنکھوں میں چمک پیدا ہوئی۔ اُنھوں نے کہا۔ "جلد بتا وہ تدبیر کیا ہے؟"

"آپ ایسا کیجیے کہ گرد عراقی کی لاش تابوت میں بند کر کے امیر حمزہ کے پاس بھیج دیجیے۔ اس کے ساتھ ہی وہ پتھر بھی بھیجیے جس سے یہ مارا گیا ہے اور ایک زنانہ پوشاک بھی روانہ کیجیے۔ پھر امیر حمزہ سے قاصد یوں کہے کہ آپ کا سارا رُعب داب عَمرو عیّار کی وجہ سے ہے۔ اگر وہ نہ ہو تو ایک دن بھی آپ کی حکومت اور پہلوانی قائم نہ رہ سکے یہ پتھر سوائے عَمرو عیّار کے اور کوئی شخص گرد عراقی کو نہیں مار سکتا۔ بہتر ہے کہ آپ یا تو زنانہ پوشاک پہنیے یا عَمرو کے ہاتھ پیر باندھ کر ہمارے پاس روانہ کر دیجیے کیونکہ ایسی حرکتیں بہادروں کی شان کے شایاں نہیں ہیں۔

بختک کی بتائی ہوئی یہ تدبیر سُن کر سبھی پھڑک اُٹھے نوشیرواں نے خاص طور پر آفرین کہی۔ پھر جیسا کہ بختک نے کہا تھا، زنانہ پوشاک اور پتھر کے ساتھ گرد عراقی کی لاش تابوت میں بند کی گئی اور بہرام عراقی کے ذریعے امیر حمزہ کے پاس بھیج دی گئی۔ اُس نے حمزہ سے کہا کہ یہ حرکت نہایت بُزدلی کی ہے۔ عَمرو عیّار نے گرد عراقی کو اس پتھر سے ہلاک کیا ہے۔ یا تو آپ یہ زنانہ کپڑے پہن لیجیے ورنہ

عمرو کو ہمارے حوالے کیجیے۔

امیر حمزہ یہ بات سن کر حیران رہ گئے۔ اُسی وقت عمرو عیار کو طلب کیا اور گرد عراقی کی لاش دکھا کر کہا "سچ سچ بتا اُسے تو نے ہلاک کیا ہے؟"

عمرو نے قسم کھا کر کہا "یہ کام میرا نہیں ہے۔ کسی اور بد ذات کا ہے۔"

لندھور نے یہ قصہ سنا تو امیر حمزہ سے کہا۔ میرا خیال ہے عمرو سچ کہتا ہے۔ یہ سب چالاکی بختک کی ہے۔ اُس نے عمرو پر قابو پانے کے لیے آپ کو بھڑکانے کی کوشش کی ہے۔"

یہ سن کر امیر حمزہ سوچ میں پڑ گئے۔ پھر عمرو سے کہنے لگے "اگر تم نے اُسے قتل نہیں کیا تو پھر کس نے کیا ہے؟ تین دن کے اندر اندر اصلی قاتل کا سُراغ لگا کر میرے سامنے پیش کرو ورنہ تمھیں باندھ کر نوشیرواں کے پاس بھیج دیا جائے گا۔"

"امیر حمزہ، میری بات کا یقین کرو۔ میں نے اِس مردود کو ہرگز قتل نہیں کیا۔ اگر تم نے مجھے باندھ کر نوشیرواں کے پاس بھیجا تو وہ مجھے زندہ نہ چھوڑے گا۔"

"کچھ بھی ہو۔ تمھیں تین دن کی مہلت ہے۔ اِس عرصے

میں اصلی قاتل کو ڈھونڈھ لاؤں۔"

اب تو عمرو مجبور ہُوا اور کہا "بہت بہتر۔ میں جاتا ہوں اور قاتل کو پکڑنے کی کوشش کرتا ہوں۔"

"جانے سے پہلے اپنا ضامن مجھے دیتے جاؤ۔" امیر حمزہ نے کہا "اگر تم تین دن تک نہ لوٹے تو تمھارے ضامن کو موت کے گھاٹ اُتار دیا جائے گا۔"

عمرو نے اِرد گِرد نظریں گھمائیں لیکن کوئی بھی ضامن بننے کے لیے تیار نہ تھا۔ تب اُس نے ایک آہِ سرد کھینچی اور کہا۔ افسوس کہ ہمارا کوئی دوست اِس بھری دُنیا میں نہیں جو ضمانت دے۔"

یہ سُن کر لندھور سے ضبط نہ ہو سکا۔ فوراً آگے آیا اور امیر حمزہ سے کہا "میں عمرو کا ضامن ہُوں۔ اگر یہ تین دِن تک واپس نہ آیا تو آپ کو اختیار ہے جو سلوک چاہے مجھ سے کریں۔"

امیر حمزہ نے لندھور کی طرف دیکھا اور کہنے لگے۔ اے لندھور، ذرا سوچ سمجھ کر عمرو کی ضمانت دو۔ یہ جان لو کہ مجھے عمرو سے زیادہ کوئی اور عزیز نہیں۔ جب میں اسے باندھ کر نوشیرواں کے پاس بھجوا سکتا ہوں تو تمھاری حیثیت کیا ہے؟ اگر یہ تین دن تک نہ لوٹا تو بخدا تمھیں

دُنیا کی کوئی طاقت موت کے ہاتھوں نہ بچا سکے گی۔ میں کسی کی سفارش نہ سُنوں گا۔"

"مجھ کو منظور ہے۔" لندھور نے ادب سے جواب دیا۔

عَمرو عیّار لندھور کو ضامن بنا کر ایک جانب روانہ ہُوا شام تک چاروں کھُونٹ مارا مارا پھرا مگر کچھ پتا نہ چلتا تھا کہ کدھر جائے۔ آخر ایک جگہ بیٹھ کر فال کھولی۔ معلوم ہُوا کہ شمال کے رُخ ایک قدیم شہر آباد ہے قاتل کا سُراغ وہیں ملے گا۔ وہ تیزی سے شمال کی جانب دوڑنے لگا۔ آدھی رات کے وقت شہر میں آیا۔ وہاں اتنی رونق تھی کہ دِن نِکلا ہُوا تھا۔ یکایک لوگوں نے اُسے پکڑ لیا اور گھسیٹتے ہُوئے لے چلے۔ اُس نے فریاد کی کہ میرا قصُور کیا ہے مگر کِسی نے ایک نہ سُنی اور کہا کہ اِس شہر کا حاکم ایک نابینا شخص ہے۔ اُس کا حُکم ہے کہ جو مُسافر شہر میں داخل ہو اُسے پکڑ کر پہلے میرے پاس لاؤ۔ وہ اُس کے ہاتھ کی ہتھیلی سُونگھتا ہے اور پھر فیصلہ کرتا ہے کہ اِس مُسافر کو شہر میں رہنا چاہیے یا نہیں۔

وہ لوگ عَمرو کو اندھے کے پاس لے گئے۔ اُس نے عَمرو کی ہتھیلی سُونگھی اور ہنس کر کہا۔

"آج بہت بڑا شکار ہاتھ لگا ہے۔ یہ امیر حمزہ کا دست

عمرو عیار ہے۔ میں مدت سے اس کی تلاش میں تھا۔ خبردار جانے نہ پائے۔ اسے قید خانے میں بند کر دو۔"

اندھے کی یہ بات سن کر عمرو پر سکتہ طاری ہو گیا۔ دل میں کہا، یہ اندھا تو بڑا باکمال ہے۔ قصہ مختصر عمرو ایک مکان میں قید کر دیا گیا۔ ایک دن قید خانے میں گزر گیا اور رہائی کی کوئی صورت نظر نہ آئی تو وہ سخت پریشان ہوا۔ اپنے آپ سے کہتا تھا کہ، اے عمرو، ایک دن ابھی وعدے میں باقی ہے۔ اگر وقت پورا ہونے سے پہلے نہ پہنچوں گا تو سب کہیں گے کہ عمرو جان بچا کر چلا گیا۔ اور لندھور کو بے قصور قتل کروا دیا۔ یہ سوچ کر خدا سے رہائی کی دعا کرنے لگا۔

اتنے میں کیا سنتا ہے کہ پہرا دینے والا اپنی بھدی آواز میں کچھ گا رہا ہے۔ عمرو نے اس کی تعریف کے پل باندھ دیئے۔ وہ خوش ہو کر قریب آ گیا اور دیر تک گاتا رہا۔ آخر عمرو سے کہنے لگا۔

"آج پہلا اتفاق ہے کہ تم جیسا قدر دان ملا ہے۔ ورنہ سبھی میرا مذاق اڑاتے ہیں۔"

"ارے میاں پہرے دار، یقین کرو، جیسی سریلی آواز تمھاری ہے، ساری دنیا میں کسی کی نہ ہو گی۔ لوگ دراصل تم

سے جلتے ہیں۔ اِس لیے بُرائی کرتے ہوں گے۔" عمرو نے کہا۔

پہرے دار چند لمحے عمرو کی طرف دیکھتا رہا۔ پھر کہا۔
"معلوم ہوتا ہے تمھیں بھی گانے سے بہت دِل چسپی ہے۔ اب تُم کچھ سُناؤ۔"

"افسوس کہ میں ساز کے بغیر گا نہیں سکتا۔" عمرو نے کہا۔ اور تُم دیکھ رہے ہو کہ میرے دونوں ہاتھ بندھے ہُوئے ہیں۔"

پہرے دار نے اِدھر اُدھر دیکھ کر عمرو کے دونوں ہاتھ کھول دِیے۔ پھر اپنا چنگ اُس کے حوالے کِیا۔ عمرو نے اپنی سُریلی آواز میں ایک راگ چھیڑ دیا۔ پہرے دار وجد میں آ گیا۔ چند منٹ تک گانا گانے کے بعد عمرو نے کہا۔

"بھائی پہرے دار سخت پیاس لگی ہے۔ تالُو چٹخ رہا ہے اچھی طرح گایا نہیں جاتا۔ ذرا سا پانی تو لا کر پلاؤ۔"

پہرے دار کے قریب ہی پانی سے بھری ہُوئی صُراحی رکھی تھی۔ اُس نے صُراحی اُٹھا کر عمرو کے حوالے کی اور کہا۔
"اسے اپنے ہی پاس رکھو اور خُوب پانی پیو۔ جب مجھے ضرورت پڑے گی تو تُم سے مانگ لیا کروں گا۔"

عمرو نے پانی کی صراحی لے کر اپنی کوٹھڑی میں رکھی اور پہرے دار کی آنکھ بچا کر اُس میں دوائے بے ہوشی ملا دی۔ پھر چنگ بجا کر گانے میں مصروف ہوا۔ تھوڑی دیر بعد پہرے دار کو پیاس لگی۔ اُس نے پانی مانگا۔ عمرو نے کٹورا بھرا اور پہرے دار کو دیا۔ اُس نے ابھی ایک گھونٹ ہی بھرا تھا کہ دھڑام سے گرا اور بے ہوش ہو گیا۔ عمرو نے جھٹ اُس کی جیبیں ٹٹول کر چابی نکالی اور کوٹھڑی کا قفل کھول کر باہر آیا۔ آدھی رات کا وقت تھا اور ہر طرف تاریکی ہی تاریکی تھی۔ عمرو کو قید خانے سے فرار ہوتے ہوئے کسی نے نہ دیکھا۔ دوڑتے دوڑتے شہر پناہ سے باہر نکلا اور ایک صحرا کی طرف چلا۔

وہ صبح صادق کے وقت دم لینے کو ایک نخلستان میں رُکا۔ اتنے میں ایک بھیانک شکل کا ایک شخص ہاتھ میں نیزہ لیے دُور سے آتا دکھائی دیا۔ جب وہ عمرو کے قریب آیا تو کہنے لگا۔

"اے شخص، تیرے پاس جو کچھ مال دولت ہے میرے حوالے کر دے ورنہ مارا جائے گا۔"

عمرو اُسے دیکھ کر ڈر گیا اور عاجزی سے کہا۔ "بھائی! میں ایک غریب مسافر ہوں۔ راستہ بھول کر اِدھر آ نکلا ہوں

میرے پاس مال دولت کہاں ہے جو تُم کو دُوں۔ مجھے تو مُعاف کرو۔"

"زیادہ باتیں نہ بنا، جانتا نہیں میں صحرائی قزّاق ہُوں۔ جلد اپنے کپڑے اُتار کر میرے حوالے کر دے۔ مال دولت نہ سہی یہ کپڑے ہی میرے لیے کافی ہیں۔"

اب تو عَمرو کو طیش آیا۔ کمر سے خنجر کھول کر قزّاق کی طرف جھپٹا۔ وہ بھی غافل نہ تھا۔ دونوں میں خُوب جنگ ہُوئی۔ آخر قزّاق کا نیزہ ٹُوٹ گیا۔ اُس نے لپک کر ایک بڑا پتھر اُٹھایا اور عَمرو کی طرف پھینکا۔ وہ پھُرتی سے ایک طرف ہٹ گیا ورنہ کھوپڑی پاش پاش ہو جاتی۔ یکایک عَمرو نے اپنی زنبیل میں سے کمند کا حلقہ نِکال کر قزّاق پر پھینکا۔ وہ اُس میں گرفتار ہُوا۔ تب عَمرو نے اُس کے ہاتھ پیر باندھے اور خنجر اُس کے گلے پر رکھ کر کہنے لگا۔

"اب بول، یہ خنجر تیری گردن پر پھیر دُوں؟"

قزّاق گھگھیانے اور مُعافی مانگنے لگا۔ عَمرو نے پُوچھا "تیرا نام کیا ہے؟ سچ سچ بتا۔"

"مجھ کو اسلم بادِ پا کہتے ہیں۔"

"کیا گرد عِراقی کو تُو نے مارا تھا؟" عَمرو نے کہا۔

"بے شک ـــــ اُس نے میرے باپ کی دونوں آنکھیں پھوڑ

ڈالی تھیں۔ میں نے اُسے مار کر اپنے باپ کا بدلہ لیا ہے۔"
اسلم باد پا نے جواب دیا۔

تب عمرو عیار نے اُسے سارا قصّہ سُنا کر کہا کہ میں تیری تلاش میں نکلا ہُوں اور تین دن کی مُہلت لے کر آیا ہوں۔ لندھور میرا ضامن ہے۔ اگر آج شام تک واپس نہ پہنچا تو لندھور بے گُناہ مارا جائے گا۔ تُو میرے ساتھ چل کر امیر حمزہ سے صرف اِتنا کہہ دے کہ گرد عراقی کو مارنے والا میں ہُوں۔"

"واہ صاحب واہ۔ اچھا سبق پڑھاتے ہو" اسلم نے کہا۔"میں بھلا یہ کیوں کہنے لگا۔ اس کا مطلب تو یہ ہُوا کہ میں اپنے مُنہ سے اپنی ہی موت کو آواز دُوں۔"

عمرو نے جب دیکھا کہ یہ کسی طرح نہیں مانتا تو دوائے بے ہوشی سُنگھا کر بے ہوش کیا، گٹھڑی باندھ کر زنبیل میں ڈالا اور ہوا کی مانند اپنے لشکر کی جانب روانہ ہُوا۔

اب اُدھر کا حال سُنیئے۔ عمرو کو گئے ہوئے آج تیسرا دن تھا اور وہ بھی ختم ہونے والا تھا۔ لندھور کے مُلازموں اور سپاہیوں میں چرچا ہو رہا تھا کہ دیکھا عمرو عیار نے دغا کی۔ اپنی جگہ ہمارے بادشاہ لندھور کو ضامن بنا کر بھاگ گیا۔ لیکن ہم لندھور کو یُوں مرنے نہ دیں گے۔ اور اپنا خون

پانی کی طرح بہائیں گے۔ ہندی سپاہیوں کے بگڑنے اور بغاوت پر آمادہ ہونے کی خبریں امیر حمزہ تک بھی پہنچ گئیں۔ انھوں نے لندھور کو فوراً طلب کیا اور حکم بھیجا کہ ہاتھوں میں ہتھکڑیاں اور پاؤں میں بیڑیاں ڈال کر حاضر ہو۔ لندھور نے چلتے وقت اپنی فوج سے کہا۔

"دیکھو، میں امیر حمزہ کی خدمت میں جاتا ہوں۔ میں نے اُن سے وفاداری اور جاں نثاری کا عہد کیا ہے۔ مردوں کی شان یہ ہے کہ وہ ہر حال میں عہد کو پُورا کریں۔ اگر وہ مجھ کو جان سے مار دیں تب بھی تُم لوگ چُوں نہ کرنا اور بغاوت کا خیال بھی دِل میں نہ لانا۔ اگر میرا وقت پُورا ہو چکا ہے تو دُنیا کی کوئی طاقت مجھے بچا نہیں سکتی اور اگر مجھے زندگی باقی ہے تو خدا مجھے بچائے گا۔"

لندھور کی اِس تقریر کا ہندی سپاہیوں پر اچھا خاصا اثر ہُوا اور سب نے گردنیں جھکا دیں۔ اِس کے بعد لندھور ہتھکڑیاں اور بیڑیاں پہن کر امیر حمزہ کے پاس آیا اور خاموش کھڑا رہا۔ امیر نے کہا۔

"بولو، اب کیا کہتے ہو؟ سُورج چھپنے کو ہے اور عمرو عیّار ابھی تک نہیں آیا۔ مرنے کے لیے تیار ہو؟"

"میں نے جو قول دیا ہے، اُسے پُورا کرنے کے لیے حاضر

ہوں۔ لنڈھور نے ادب سے جواب دیا۔

بہت خوب ہمیں تم سے اسی کی اُمید تھی۔ امیر حمزہ نے کہا۔ ابھی کچھ وقت باقی ہے۔ تم باہر جا کر بیٹھو۔ سورج غروب ہونے کے فوراً بعد تمہاری گردن اُڑا دی جائے گی۔"

لنڈھور سر جھکائے باہر گیا اور ایک درخت کے نیچے بیٹھ رہا۔ عادی پہلوان۔ استقتانوش، بخت مغربی، مقبل وفادار اور بہرام سبھی پریشان تھے اور رو رہے تھے لیکن کسی کو امیر حمزہ کے پاس جانے اور سفارش کرنے کی جرأت نہ تھی۔ سب دل ہی دل میں دعائیں مانگ رہے تھے کہ اے خدا، عُمرو کو یہاں بھیج دے۔

سورج غروب ہو گیا تو امیر حمزہ نے عادی پہلوان کے بھائی ذوالحمار عادی کو طلب کر کے حکم دیا کہ کلہاڑا اُٹھاؤ اور لنڈھور کی گردن تن سے جدا کر دو۔ اس موقع پر بہرام عراقی بھی موجود تھا اور امیر حمزہ کے اس فیصلے اور لنڈھور کی اطاعت دیکھ کر حیران تھا۔ ذوالحمار عادی نے پانچ من وزنی کلہاڑا کندھے پر اُٹھایا۔ اس کا پھل اتنا تیز تھا کہ درخت کے تنے پر پڑتا تو اُسے بھی آنِ واحد میں کاٹ ڈالتا۔

اچانک مشرق کی جانب سے گرد کا بادل اُٹھتا نظر

آیا۔ سب کی نظریں اُس پر جم گئیں ۔ پھر یہ بادل چھٹ گیا۔ اور اُس میں سے عَمرو عیّار نمودار ہُوا ۔ امیر حمزہ اور اُن کے دوستوں نے خوشی کا نعرہ لگایا۔ عَمرو ہانپتا کانپتا سامنے آیا۔ اور زنبیل میں سے پشتارہ نکال کر امیر حمزہ کے سامنے پٹخ دیا۔

"لیجیے یہ ہے گرد عراقی کا قاتل"

پُشتارے میں اسلم باد پا بے ہوش پڑا تھا۔ اُسے ہوش میں لایا گیا ۔ اُس نے جُونہی امیر حمزہ کی صُورت دیکھی۔ قدموں میں گرا اور بے اختیار پُکار اُٹھا۔ میں آپ کی اطاعت قبول کرتا ہُوں ۔ گرد عراقی کو واقعی میں نے ہلاک کیا تھا"

بہرام عراقی نے بھی اُس کے یہ الفاظ سُنے تب امیر حمزہ نے اُس سے مخاطب ہو کر کہا ۔"اے بہرام، تُو نے دیکھ لیا کہ گرد عراقی کا قاتل عَمرو نہیں بلکہ اسلم باد پا ہے۔ اب تُو بختک اور مندیل اصفہانی کو جا کر بتا دے۔

بہرام عراقی سلام کر کے اصفہان کو روانہ ہُوا ۔ عَمرو نے امیر حمزہ سے کہا۔ مجھے بھی اجازت دیجیے ۔ بس دیکھ لی آپ کی محبت ۔ آپ دُشمنوں کے جھانسے میں آ کر ہماری ہی جانوں کے درپے ہو جاتے ہیں ۔ فرض کیجیے اسلم باد پا مجھے نہ ملتا تو آپ یقیناً مجھے یا میرے ضامن لندھور کو

ہلاک کروا دیتے۔ بس ایسی دوستی سے باز آیا۔ اب جنگل میں جاتا ہوں۔ ساری عمر یادِ الٰہی میں بسر کروں گا۔"

یہ کہہ کر سب کو سلام کیا اور روانہ ہوا۔ امیر حمزہ پہلے تو حیرت سے دیکھتے رہے پھر پکار کر کہنے لگے۔ "عمرو بھائی کہاں جاتے ہو واپس آ جاؤ۔"

عمرو نے کچھ جواب نہ دیا۔ آخر لندھور نے آواز دی اور کہا "اے عمرو، یہ محبت سے بعید ہے کہ تم ہمیں یوں چھوڑ کر چلے جاؤ، دیکھو ہم نے تمہاری خاطر جان بھی داؤ پر لگا دی اور اب تم اس کا یہ صلہ دیتے ہو۔"

لندھور کی یہ بات سن کر عمرو واپس آیا اور کہنے لگا "بھائی لندھور تمہارے کہنے سے واپس آتا ہوں ورنہ اپنی شکل دکھانے کو جی نہیں چاہتا۔"

تب امیر حمزہ آگے بڑھ کر عمرو سے چمٹ گئے اور رونے لگے۔ عمرو کی آنکھیں بھی تر ہو گئیں۔ تھوڑی دیر بعد سب دوست بیٹھے عمرو کے لطیفوں پر قہقہے لگا رہے تھے۔

خداوندِ مینار نشیں

تین دن بعد امیر حمزہ نے اپنے لشکر کو کوچ کا حکم دیا۔ اور شہر اصفہان کے سامنے پہنچ گئے۔ اُدھر جاسوسوں نے مندیل اصفہانی اور نوشیرواں کو خبر دے دی تھی کہ امیر حمزہ فوج لے کر آتے ہیں۔ بختک مکّار نے مندیل اور نوشیرواں سے پوچھے بغیر طبلِ جنگ بجوا دیا۔ عادی پہلوان نے امیر حمزہ سے کہا کہ دُشمن طبلِ جنگ بجا رہا ہے، اجازت ہو تو ہماری جانب سے بھی نقارے بجائے جائیں۔ حمزہ نے اجازت دی۔ تب ساری رات دونوں جانب سے لڑائی کی تیاریاں ہوئیں اور صبح سویرے دونوں لشکر میدان میں نکلے۔

سب سے پہلے مندیل اصفہانی ایک سفید ترکی گھوڑے پر سوار میدان میں آیا اور امیر حمزہ کو مقابلے کے لیے للکارا۔ امیر حمزہ اشقر دیوزاد پر سوار ہوئے اور میدان میں

آئے۔ مندیل نے جب انھیں دیکھا تو حیران ہو کر بولا۔

"اے جوان، تُو کون ہے؟ میں نے حمزہ پہلوان کو پکارا تھا۔"

"میرا ہی نام حمزہ ہے۔"

"بہت خوب۔" مندیل نے کہا۔ "تیرا جسم دیکھ کر یقین نہیں آتا۔"

"اے مندیل، زیادہ باتیں مت بنا اور بڑھ کر حملہ کر۔ ابھی فیصلہ ہوا جاتا ہے کہ میں کون ہوں۔"

مندیل نے چمکتی ہوئی تلوار میان سے کھینچی اور حملہ کیا امیر حمزہ نے ڈھال آگے کی لیکن بد قسمتی سے اشقر دیوزاد کا ایک پاؤں پھسلا اور وہ دائیں جانب جھک گیا۔ اُسی لمحے مندیل کی تلوار امیر حمزہ کی پیشانی کو زخمی کرتی ہوئی نکل گئی۔ یہ دیکھ کر مندیل کے لشکر نے نعرے لگائے۔ امیر حمزہ نے سنبھل کر وار کیا اور اس مرتبہ اُنھوں نے مندیل کو لہو لہان کر دیا۔ پھر دونوں فوجیں آپس میں گتھ گئیں اور اس گھمسان کی لڑائی ہوئی کہ چند لمحوں میں کشتوں کے پشتے لگ گئے۔ لندھور اور بہرام نے مار مار کر دشمن کی لاشوں کے انبار لگا دیے۔ اور نوشیروان کو گھیرے میں لینے کی کوشش کرنے لگے۔ تب بد حواس ہو

کریتنک نے واپسی کا نقّارہ بجوایا۔ مندیل کی بچی کھچی فوج فوراً قلعہ اصفہان کی طرف بھاگی۔ اور قلعے میں پناہ لے کر دروازے بند کر لیے۔

جب جنگ بند ہو گئی تو لندھور، بہرام اور عمرو نے امیر حمزہ کو میدانِ جنگ میں نہ پایا۔ بہت تلاش کیا مگر کچھ پتا نہ چلا کہ وہ کہاں غائب ہوئے ہیں۔ شہزادہ قباد شہریار نے عمرو سے کہا۔

"چچا جان، آپ ہی انھیں ڈھونڈھ سکتے ہیں۔ یہ کام کسی اور کے بس کا نہیں۔" عمرو نے سب کو دلاسا دیا اور امیر حمزہ کی تلاش میں روانہ ہوا۔

قصّہ اصل میں یہ تھا کہ اشقر دیوزاد نے جب دیکھا کہ امیر حمزہ سخت زخمی ہیں اور زیادہ خون بہ جانے کے باعث اُن پر غشی طاری ہو رہی ہے تو وہ انھیں لے کر میدانِ جنگ سے چلا اور ایک خوش نما سبزہ زار میں پہنچا۔ اس کے ایک جانب بہت بڑی جھیل تھی اور سامنے اونچا پہاڑ تھا جس کی چوٹی پر برف جمی ہوئی تھی۔ اشقر دیو زاد نے امیر حمزہ کو جھیل کے کنارے اپنی پشت سے اتارا اور خود گھاس چرنے لگا۔ اس وقت امیر حمزہ کچھ ہوش میں تھے۔ اور کچھ بے ہوش۔ انھوں نے آگے بڑھ

کر جھیل میں سے پانی پینا چاہا مگر اتنی طاقت نہ تھی۔ اُن کا آدھا دھڑ پانی میں اور آدھا خشکی پر رہ گیا۔

یہ سبزہ زار شہزادی کاکُل کُشا کا تھا اور اُس کے باپ کے دو نام مشہور تھے۔ پہلا نام سلیمان اور دُوسرا فاریاب شاہ بادشاہِ شہر فارس تھا۔ اس باغ میں کاکُل کُشا اکثر سیر و تفریح کے لیے آیا کرتی تھی اور اُس روز بھی آئی ہُوئی تھی۔ اُس کی خواصیں اور کنیزیں باغ میں ہنستی کھیلتی گھُوم رہی تھیں۔ کوئی جھُولا جھُولتی تھی اور کوئی آنکھ مچولی کھیل رہی تھی۔ کاکُل کُشا اپنی وزیر زادی دِل رُبا کا ہاتھ پکڑے جھیل میں پاؤں لٹکائے بیٹھی تھی۔ یکایک اُس نے دیکھا کہ پانی کا رنگ کچھ سُرخ سُرخ سا ہے چُلو میں پانی لے کر سُونگھا تو اُس میں سے لہُو کی بُو آئی۔ حیران ہو کر وزیر زادی سے کہنے لگی۔

"اے دِل رُبا، ذرا دیکھ تو پانی سے لہُو کی بُو آتی ہے۔"

دِل رُبا نے بھی پانی سُونگھا اور بول اُٹھی کہ اے ملکۂ عالم آپ سچ فرماتی ہیں۔ اِس پانی میں ضرور خُون مِلا ہُوا ہے لیکن سوال یہ ہے کہ خُون آیا کہاں سے؟ اِس سے پہلے تو کبھی ایسا نہ ہُوا تھا۔ معلُوم کرنا چاہیے

کہ کیا بات ہے۔

تب شہزادی چند خواصوں اور کنیزوں کو لے کر جھیل کے دوسرے کنارے پر پہنچی۔ کیا دیکھا کہ ایک جوان شخص جس کا چہرہ آفتاب کی مانند روشن ہے لیکن زخموں سے لہو لہان ہے، جھیل کے کنارے بے ہوش پڑا ہے اور اسی کا خون ہے جو آہستہ آہستہ جھیل کے پانی میں شامل ہو رہا ہے۔

شہزادی نے خواصوں کو حکم دیا کہ اس شخص کو اٹھا کر باغ کی بارہ دری میں لے چلو۔ ہم اس کا علاج کریں گے بے چارہ آفت کا مارا اور مصیبت زدہ ہے۔ اشقر دیو زاد نے جب دیکھا کہ چند عورتیں اس کے آقا کو اٹھا کر لے چلیں تو وہ بھی ان کے پیچھے پیچھے آیا۔ شہزادی سمجھ گئی کہ یہ گھوڑا بھی اسی زخمی شخص کا ہے۔ اس نے خواصوں سے کہا کہ اسے ایک درخت سے باندھ دو اور دانے گھاس کا خیال رکھو۔

شہزادی نے بارہ دری کے ایک آرام دہ اور پُر سکون گوشے میں امیر حمزہ کو لٹایا۔ پھر شاہی طبیب کو طلب کیا ملکہ نے طبیب کو ایک ہزار اشرفیاں دیں اور کہا کہ اس شخص کے زخموں کا علاج کرو۔ جب یہ ٹھیک ہو جائے گا

تو ایک ہزار اشرفیاں اور عطا کروں گی۔

طبیب نے دل و جان سے امیر حمزہ کا علاج کیا۔ تین دن کے اندر اندر زخم بھر گئے اور جسم کی کھوئی ہوئی طاقت بھی لوٹ آئی۔ چوتھے دن اُنھوں نے غُسلِ صحّت کیا شہزادی بہت خُوش ہوئی۔ پھر اُس نے امیر حمزہ سے پُوچھا۔

"اے شخص، بتا کہ تُو کون ہے؟ کہاں سے آیا ہے اور تجھے کس نے زخمی کیا۔"

تب امیر حمزہ نے اُسے ساری داستان سُنائی۔ کاکُل کُشا اُن کے نام اور کارناموں سے خُوب آگاہ تھی لیکن اُنھیں دیکھنے کا یہ پہلا اِتّفاق تھا۔ جھٹ اُٹھ کھڑی ہوئی، سات مرتبہ جُھک جُھک کر سلام کیا۔ پھر کہنے لگی۔

"یہ ہماری خُوش نصیبی ہے کہ آپ یہاں تشریف لائے اور ہمیں خدمت کا موقع دیا۔ جب تک جی چاہے یہاں رہیے اور مجھے اپنی لونڈی سمجھیے۔"

امیر حمزہ نے اُس کا شُکریہ ادا کیا اور کہنے لگے "میں اِنشاء اللہ ایک دو روز بعد یہاں سے چلا جاؤں گا۔ ابھی کچھ کمزوری سی محسوس کرتا ہوں۔"

اِدھر تو اِن دونوں میں یہ باتیں ہو رہی تھیں اور اُدھر

عمرو عیّار امیر حمزہ کو ڈھونڈتا ہُوا بارہ دری تک آن پُہنچا۔ دُور سے دیکھا اور پہچان لیا کہ حمزہ صحیح سلامت ہیں، شہزادی اُن کے قریب بیٹھی پنکھا جھل رہی ہے۔ اور چاروں طرف کنیزیں اور خواصیں با ادب کھڑی ہیں۔ عمرو کو شرارت سُوجھی۔ اپنا سبز کمبل اوڑھا اور جیب سے قینچی نکال کر آگے آیا۔ چُپکے چُپکے سبھی کنیزوں کی چوٹیاں کاٹ ڈالیں اور اُن کو خبر تک نہ ہُوئی۔ یکایک کاکل گُشا کی نظر پڑی تو بے اِختیار چلّا اُٹھی۔

'اے کنیزو، ذرا اپنا حُلیہ تو دیکھو۔ تُمھاری چوٹیاں کہاں غائب ہو گئیں؟'

سب نے فوراً سر پر ہاتھ پھیر کر دیکھا تو چوٹیاں کٹی ہوئی تھیں۔ اب کیا تھا۔ ایک کُہرام مچ گیا۔ امیر حمزہ بھی حیران تھے کہ ایسا کیونکر ہُوا۔ ضرُور اِس باغ میں کوئی آسیب ہے۔ یکایک عمرو نے کمبل اُتارا اور اپنی شکل ایک بن مانس کی سی بنائی۔ کنیزوں اور خواصوں نے بن مانس کو دیکھا تو بد حواس ہُوئیں اور چیختی چلاّتی بھاگ نکلیں۔ ایک کنیز نے کاکل گُشا سے کہا۔

"حضُور ملکۂ عالم، یہاں سے نِکل چلیے ایک بن مانس باغ میں گُھس آیا ہے۔"

یہ سُن کر شہزادی کے چہرے کا رنگ اُڑ گیا۔ لیکن امیر حمزہ نے اُسے تسلّی دی اور تلوار لے کر اُٹھ کھڑے ہُوئے۔ کہنے لگے "گھبراؤ نہیں، بن مانس کو ابھی مار کر آتا ہُوں" یہ کہہ کر باغ کے اُس حصّے میں چلے جہاں کنیزوں نے بن مانس کو دیکھا تھا۔ اُنھوں نے اِدھر اُدھر جھاڑیوں اور لمبی گھاس میں دیکھا بھالا مگر بن مانس کہیں نظر نہ آیا۔ یکایک پیچھے سے کسی جانور کے غُرّانے کی آواز آئی۔ کیا دیکھتے ہیں کہ سات فُٹ اُونچا ایک سیاہ فام بن مانس دانت نکال کر اُنھیں گھُور رہا ہے۔ پھر وہ اُنھیں پکڑنے کے لیے اُچھلتا کُودتا آگے بڑھا۔ امیر حمزہ نے تلوار گھُمائی اور چاہتے تھے کہ بن مانس کے ہاتھ پاؤں قلم کریں کہ وہ چِلّایا۔

"اے حمزہ، ہاتھ روک لو۔ میں عَمرو ہُوں۔"

اب جو امیر حمزہ بغور دیکھتے ہیں تو سامنے عَمرو عیّار کھڑا مُسکرا رہا ہے۔ فوراً لپٹ گئے اور کہنے لگے۔ مجھے پہلے ہی شک تھا کہ تمھارے سوا کوئی اور نہیں ہو سکتا لیکن جب اُنھوں نے ایک بن مانس کا قِصّہ سُنایا تو میں بھی حیران ہُوا اچھا، اب میرے ساتھ آؤ۔ میں تمھیں کاگل گُشا سے ملاؤں۔"

امیر حمزہ عَمرو عیّار کا ہاتھ پکڑے ہُوئے بارہ دری میں

آئے اور شہزادی سے کہا "یہ میرا بھائی عمرو ہے۔ فنِ عیاری میں لاثانی ہے۔ یہی آپ لوگوں کو بن مانس بن کر ڈرا رہا تھا۔"

کاکل کشا عمرو کو دیکھ کر بہت خوش ہوئی۔ پھر دو صندوقچے جواہر سے بھرے ہوئے منگوائے اور عمرو کو دیے۔ عمرو نے فوراً زنبیل میں ڈال لیے اور بولا "اجازت ہو تو ایک گانا آپ کو سناؤں۔"

کاکل کشا نے اجازت دی۔ عمرو نے اپنا اکتارہ نکالا اور ایک راگ چھیڑ دیا۔ پھر لہک لہک کر گانے لگا۔

یہاں تو محفل گرم تھی اور اُدھر کسی کنیز نے جا کر سارا حال فاریاب شاہ سے کہہ دیا۔ وہ سمجھا کوئی دشمن باغ میں گھس آیا ہے۔ فوراً تلوار کھینچ کر باغ میں آیا۔ اور ٹیڑھی ترچھی نظروں سے امیر حمزہ اور عمرو کو دیکھ کر بولا "تم کون ہو اور یہ تمھارے ساتھ دوسرا آدمی کون ہے؟"

"میرا نام حمزہ ہے۔ نوشیرواں کا داماد ہوں۔ یہ دوسرا شخص میرا دوست اور بھائی عمرو عیار ہے۔"

فاریاب شاہ نے دونوں کو سلام کیا اور کہنے لگا۔ "مرحبا اے حمزہ اور آفرین اے عمرو، خوب کیا کہ یہاں قدم رنجہ فرمایا۔ میں مدت سے اس فکر میں تھا کہ آپ لوگوں کی زیارت

کا شرف حاصل کروں مگر بدقسمتی سے کوئی موقع ہی نہ ملتا تھا
قصہ یہ ہے کہ میری سلطنت کی سرحد پر ایک خداوندِ مینار نشین
رہتا ہے کچھ معلوم نہیں کہ وہ کون ہے، کہاں سے آیا ہے؟ ہر سال اُس
مینار پر ایک زبردست میلا لگتا ہے۔ جس میں لاکھوں آدمی
دُور و نزدیک سے آتے ہیں۔ آج کل بھی مینار پر میلا لگا ہُوا
ہے۔"

"کیا آپ ہمیں وہ مینار دکھائیں گے؟" امیر حمزہ نے کہا۔

"ضرور۔ بلکہ میں آپ کے ساتھ چلوں گا۔" فاریاب شاہ نے
جواب دیا۔ آپ ایک آدھ دن آرام فرمائیے۔ پھر ہم وہاں
چلیں گے۔"

قصہ مختصر تیسرے روز فاریاب شاہ، امیر حمزہ اور عمرو عیار کو
لے کر ثریا کوہ کی جانب روانہ ہُوا۔ دِن رات کے مسلسل سفر
کے بعد وہ ثریا کوہ پر آئے۔ دیکھا کہ ایک مینار عالی شان
سونے کا بنا ہُوا ہے جس کی بلندی تین سو ساٹھ گز کی
ہے۔ اور چبوترے کی لمبائی چوڑائی بھی ایک میل اور نصف
میل کی ہے۔ لاکھوں آدمی وہاں جمع ہیں اور ابھی چیونٹیوں
کی طرح لگاتار چلے آتے ہیں۔

سونے کا یہ عظیم مینار دیکھ کر عمرو کے منہ میں پانی بھر
آیا لیکن مجبور تھا ورنہ اُسے اُٹھا کر زنبیل میں ڈال لیتا

معلوم ہوا کہ آلکہ زنگی اس مینار کا مالک اور کبل زنگی کوتوال ہے جو میلے کی حفاظت کے لیے کئی ہزار سوار لے کر آیا ہے اور اسی چبوترے پر اپنے مصاحبوں سمیت بیٹھا ہے۔ جتنے شہزادے اور امیر زادے ہیں سب چبوترے سے نیچے کھڑے ہیں اور کسی کی مجال نہیں کہ چبوترے پر قدم بھی دھر سکے۔

فاریاب شاہ نے ایک طرف اپنا خیمہ لگوایا اور اس میں کچھ دیر آرام کیا۔ پھر وہ رات بھر میلے کی سیر دیکھتے رہے۔ جب صبح کے آثار نمودار ہوئے تب فاریاب شاہ نے امیر حمزہ سے کہا کہ جلدی چلیے، ورنہ چبوترے کے قریب جگہ نہ ملے گی۔ جونہی یہ تینوں چبوترے کے پاس پہنچے، دیکھا کہ اس مینار میں سے چمک پیدا ہوئی اور سب کی آنکھوں میں چکاچوند ہونے لگی۔ امیر حمزہ یہ شعبدہ دیکھ کر حیران ہوئے۔ ادھر چمک ہوتے ہی آلکہ زنگی اور تمام حاضرین سجدے میں گر گئے لیکن امیر حمزہ اور ان کے ساتھیوں نے سجدہ نہ کیا۔

"یکایک مینار کے گنبد سے ایک گرج دار آواز آئی "اے آلکہ زنگی، ادھر آ۔"

آلکہ زنگی کانپتا ہوا اٹھا، گھٹنوں کے بل چل کر مینار کے نزدیک پہنچا۔ "اے خداوندِ مینار نشین، یہ غلام حاضر

ہے۔"

"اے اُلکہ زنگی، کچھ دیکھا بھی تو نے؟ فاریاب شاہ کے ساتھ امیر حمزہ اور عمرؔو عیّار آئے ہیں۔ اور ان تینوں نے ہم کو سجدہ نہ کیا۔ اب تیرا فرض ہے کہ اِن کو مجبور کر کہ ہمیں سجدہ کریں۔"

اُلکہ زنگی نے سجدہ سے سر اُٹھایا اور کمیل زنگی کو طلب کر کے حکم دیا کہ فاریاب شاہ، امیر حمزہ اور عمرؔو عیّار گرفتار کر کے ہمارے حضور حاضر کرو۔"

عمرؔو عیّار ڈر کے مارے کانپنے لگا۔ بولا "اے حمزہ، یہاں سے بھاگو ورنہ گرفتار ہو جاؤ گے۔ آیندہ تمھیں اختیار ہے۔ میں تو جاتا ہوں۔ اِس ملعون خداوندِ مینار نشین نے دُور ہی سے ہمیں پہچان لیا۔"

امیر حمزہ نے عمرؔو کو گھُرکا اور کہا۔ ڈرتا کیوں ہے؟ خُدا ہمارے ساتھ ہے۔ یہ ملعون کیا کر سکتا ہے؟"

فاریاب شاہ نے عرض کیا "اے حمزہ، آپ نے کچھ معلوم کیا کہ یہ خداوندِ مینار نشین کون ہے؟"

"میرا خیال ہے کوئی شیطان ہے جو خُدا کے بندوں کو بہکاتا اور اُن کو اپنی پرستش پر مجبور کرتا ہے۔"

اِتنے میں کمیل زنگی اور اُس کے سپاہی تلواریں ہاتھوں

ہیں لیے اُدھر آتے۔ جدھر امیر حمزہ، فاریاب شاہ اور عَمرو عیار موجود تھے۔ امیر حمزہ اور فاریاب نے بھی اپنی اپنی تلواریں میان سے نکالیں اور لڑنے کو تیار ہوئے۔ پھر تو ایسی سخت جنگ ہوئی کہ الاماں وَ الحفیظ۔ لاشوں پر لاشیں گرنے لگیں عَمرو بھی اپنے خنجر سے کام لے رہا تھا۔ امیر حمزہ پر پُشت کی جانب سے جو حملہ ہوتا اُسے عَمرو روکتا تھا۔ لیکن ایک عجیب بات امیر حمزہ نے یہ دیکھی کہ جتنے آدمی قتل ہوتے تھے، اُتنے ہی پھر سامنے آ جاتے تھے۔ آخر تلوار چلاتے چلاتے اُن کے بازو شل ہو گئے۔ فاریاب شاہ اس اثنا میں گرفتار ہوا۔ پھر دشمن نے کمندوں کے حلقے پھینک پھینک کر امیر حمزہ کو بھی پکڑ لیا۔ عَمرو نے جب بچاؤ کی کوئی صُورت نہ پائی تو اُچھلا اور مجمع کو چیرتا پھاڑتا بھاگا۔ کبل زنگی کے آدمیوں نے دُور تک اُس کا تعاقب کیا لیکن عَمرو اُن کے ہاتھ نہ آیا۔

کبل زنگی کے سپاہی امیر حمزہ اور فاریاب شاہ کے ہاتھ پیر باندھ کر مینار کے سامنے لائے۔ خداوندِ مینار نشین کی آواز آئی۔

"اے کبل زنگی، ان دونوں کو تین دن تک قید میں رکھ اور سمجھا کہ مجھے سجدہ کریں۔ اگر تین دن بعد بھی

یہ سجدہ کرنے سے اِنکار کردیں تو ان کے سر قلم کر دے ہرگز جیتا نہ چھوڑے۔"

اَلکہ زندگی ان دونوں کو اپنے ڈیرے پر لے گیا اور بے حد خوشامد کی کہ خُداوندِ مینار نشین کو ناراض مت کرو وہ بہت قوّت والا ہے۔ اُسے سجدہ کر لو گے تو جانیں بچ جائیں گی۔ امیر حمزہ نے اَلکہ زنگی سے کہا "کہ وہ خُداوند نہیں بلکہ شیطان ہے۔ اس پر لعنت کرو۔"

اِس بحث مباحثے میں ایک دِن گزر گیا۔ اَلکہ زنگی نے جب دیکھا کہ امیر حمزہ کسی طرح اِس کی بات نہیں مانتے ہیں، تب عاجزانہ انداز سے کہا: "اچھا آپ کھانا تو کھائیے باقی باتیں بعد میں ہوں گی۔"

امیر حمزہ نے ہنس کر کہا: "اب تو تیری قید میں ہوں، جو جائز بات تُو کہے گا وہ مانوں گا۔ لا کھانا لے آ۔"

اَلکہ زنگی یہ بات سُن کر خوش ہُوا اور دِل میں کہا حمزہ واقعی شریف اور بہادر آدمی ہے۔ نہایت تکلف سے دسترخوان بچھایا اور دُنیا جہان کی نعمتیں لا کر سامنے رکھیں۔ جب کھانے سے فارغ ہوئے تو فاریاب شاہ نے امیر حمزہ کے کان میں کہا۔

بہتر یہی ہے کہ خُداوندِ مینار نشین کو سجدہ کرلیں ورنہ

جان جاتی رہے گی۔"

امیر حمزہ نے فاریاب کو گھور کر دیکھا اور کہنے لگے۔"تم چاہو تو سجدہ کر لو میں تمھیں منع نہیں کروں گا لیکن آیندہ یہ بات مجھ سے نہ کہنا ورنہ یہ لوگ تو تمھیں بعد میں ماریں گے میں اس سے پہلے ہی تمھارا تیا پانچا کر ڈالوں گا۔"

فاریاب شاہ ڈر کر خاموش رہا۔

اب سُنیے کہ عمرو عیّار پر کیا بیتی۔ بھاگنے کو تو وہاں سے بھاگ لیا مگر کہیں جا کر رُکا۔ امیر حمزہ کی محبّت میں بے چین ہُوا اور دل میں کہا کہ اے عمرو صد افسوس ہے تم پر ۔۔۔ جان سے زیادہ عزیز بھائی اور دوست تو دشمنوں کی قید میں ہے اور تُو اپنی جان بچا کر بھاگ آیا۔ بہتر یہی ہے کہ اُنہی کے ساتھ جان دے دے۔

اُسی وقت صُورت بدل کر واپس آیا۔ معلوم ہُوا کہ امیر حمزہ اور فاریاب کو اُلکہ زنگی اپنے ساتھ لے گیا ہے۔ وہ اُلکہ زنگی کے ڈیرے پر آیا۔ اس وقت امیر حمزہ اور فاریاب دسترخوان پر بیٹھے کھانا کھا رہے تھے۔ عمرو نے دیکھا کہ طرح طرح کے لذیذ کھانوں کے خوان حمزہ کے آگے دھرے ہیں وہ مزے لے لے کر کھا رہے ہیں اور ہنس

ہنس کر اَلکۂ زنگی سے باتیں کرتے جاتے ہیں۔ عمَرو کو اطمینان ہُوا۔

رات کو عمَرو اُس چبوترے کے پاس گیا۔ خُداوندِ مینار نشیں کا حُکم تھا کہ رات کے وقت یہاں کوئی شخص نہ آئے ورنہ وہ اندھا ہو جائے گا۔ اُس مینار میں ایک سوراخ تھا عمَرو نے دِن میں دیکھا تھا کہ ہر آنے والا شخص اپنی ہمت کے مُطابق روپے، اشرفیاں اور جواہر اس سُوراخ میں ڈالتا تھا۔ یہ دراصل خُداوندِ مینار نشیں کا نذرانہ تھا۔ عمَرو یہ دیکھ کر حیران ہُوا کہ لوگ جو مال چڑھاتے وہ اس سوراخ میں سے اندر ہی اندر نہ جانے کہاں غائب ہو جاتا۔

عمَرو چبوترے پر چڑھا۔ کچھ دہشت سی معلوم ہوئی۔ بدن کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ وہاں بالکل سناٹا تھا۔ پہلے تو چاروں طرف پھرا۔ جب کہیں راہ نہ پائی تو اپنی زنبیل سے داؤدی کیلیں نکالیں۔ ایک کیل مینار پر گاڑی، اُس پر پاؤں رکھا پھر دُوسری کیل گاڑی اور دُوسرا پاؤں رکھا۔ تیسری کیل گاڑ کے پہلی اور دُوسری کیل کو اُکھاڑ لیا۔ اِسی طرح کیلیں گاڑتا اور اُکھاڑتا ہُوا پاؤں رکھ رکھ کے چڑھا اور تین سو ساٹھ گز کی بُلندی یُونہی طے کی پھر گُنبد کے اندر جا پُہنچا۔ وہاں ایک زینہ نظر آیا۔

جو مینار کے اندر اُترتا تھا ۔ عمرو اللہ کا نام لے کر اُس زینے میں اُترا اور اپنے آپ کو عجیب دل فریب مقام پر پایا۔

کیا دیکھتا ہے کہ ایک قیمتی قالین بچھا ہوا ہے اور اُس پر مسند جواہر نگار آراستہ ہے ۔ چاروں طرف بڑے بڑے آئینے لگے ہیں۔ عمرو سمجھ گیا کہ یہ آئینے کس واسطے لگائے گئے ہیں۔ جس وقت سورج نکلتا ہے اور اُس کی روشنی اُن آئینوں پر پڑتی ہے تو خداوند مینار نشین پردہ اُٹھا دیتا ہے۔ سورج کی چمک سے سب کی آنکھیں چکا چوند کرتی ہیں۔ عمرو نے کمند کے حلقے دریچے سے ملا کر بچھا دیے اور دوسرا سرا اپنے ہاتھ میں لے کر ایک ستون کی آڑ میں کھڑا ہو گیا۔

جب صبح کے آثار دکھائی دینے لگے تو اُس نے دیکھا کہ ایک تخت ہوا میں اُڑتا آ رہا ہے ۔ اُس پر ایک شخص بزرگ صورت بیٹھا ہے۔ اُس کی سفید گھنی ڈاڑھی ناف تک لمبی ہے ۔ وہ تخت اُس دریچے کے برابر آن کر رُکا اور وہ بڈھا دریچے میں گردن ڈال کر مینار میں آنے لگا۔ جیسے ہی اُس نے اپنا پیر دریچے میں رکھا، عمرو نے کمند کو جھٹکا دیا ۔ بڈھا اوندھے منہ فرش پر گرا ۔ عمرو نے پھرتی

سے اُس کے ہاتھ پیر باندھے اور زنبیل میں پھینک دیا۔ پھر خُود اُسی کی صُورت بنائی اور مسند پر جا بیٹھا۔ اِتنے میں لوگ جمع ہونے شرُوع ہوئے۔ اَلکہ زنگی امیر حمزہ اور فاریاب شاہ کو لے کر آیا۔ جب سُورج آسمان پر آیا تو عُمرو نے آئینوں سے پردے اُٹھا دیے۔ نہایت تیز چمک پیدا ہُوئی۔ ہزاروں آدمی سجدے میں گر گئے۔

یکایک مینار سے ایک گرج دار آواز بُلند ہُوئی۔ "اے اَلکہ زنگی کیا حمزہ سجدہ کرنے پر راضی ہو گیا؟"

"نہیں خُداوند ــــ میں نے لاکھ سمجھایا وہ نہیں مانتا" اَلکہ زنگی نے ادب سے جواب دیا۔

یہ سُن کر خُداوندِ مینار نشین نے قہقہہ لگایا اور امیر حمزہ سے کہنے لگا۔ "اے حمزہ، کیا تُو ہماری مہربانیاں اور عنایتیں بھُول گیا۔ ہم نے تجھے معمُولی مرتبے سے اُٹھا کر اِس جگہ تک پہنچایا کہ نوشیرواں جیسا عالی مقام شہنشاہ تجھ سے ڈر کر بھاگا بھاگا پھرتا ہے۔ دُنیا بھر کے پہلوانوں کو تو نے ہماری وجہ سے زیر کیا۔ ہم نے تجھے طاقت اور حکُومت دی اور اب تُو ہمیں سجدہ کرنے سے اِنکار کرتا ہے۔"

خُداوندِ مینار نشین کی تقریر سُن کر امیر حمزہ دنگ رہ گئے۔ پھر دل میں توبہ کی اور کہنے لگے "میں خُوب

سمجھتا ہوں کہ تو کوئی شیطان ہے اور ان سب کو گمراہ کیے ہوئے ہے۔ میں تیری ان باتوں میں آ کر اپنا دین ایمان ہرگز نہیں کھو سکتا۔ جو تجھ سے ہو سکے کر لے۔"

تب خداوندِ مینار نشین غضب میں آیا اور الکہ زنگی کو حکم دیا کہ بلاؤ جلاد کو۔ دم کے دم میں ایک حبشی جلاد کندھے پر دس من وزنی گھماڑا رکھے حاضر ہو گیا ــــ فاریاب شاہ کے بدن پر جلاد کو دیکھ کر کپکپی طاری ہوئی۔ وہ امیر حمزہ کے کان میں کہنے لگا۔

"جناب، آپ خود بھی مریں گے اور مجھے بھی مروائیں گے بہتر ہے آپ سجدہ نہ کیجیے لیکن میں خداوندِ مینار نشین پر ایمان لاتا ہوں۔"

یہ کہہ کر فاریاب شاہ گھٹنوں کے بل جھکا اور اپنی ناک زمین پر رگڑ کر کہنے لگا۔

"میں خداوندِ مینار نشین کو سجدہ کرتا ہوں اور اسے اپنا خدا مانتا ہوں۔"

جونہی اس نے سجدہ کیا، مینار سے ایک گونج سی سنائی جیسے کوئی کھلکھلا کر ہنسا ہو۔ پھر ایک آواز آئی۔ "اے حمزہ، تو نے دیکھا کہ فاریاب شاہ کتنا عقل مند ہے۔ اس نے ہمیں سجدہ کر کے اپنی جان بچا لی مگر

تجھے کچھ احساس نہ ہُوا۔ معلُوم ہوتا ہے تُو مرنے پر راضی ہو گیا ہے۔ اچھّا مرنے سے پہلے ایک خط تُو پڑھ لے جو ہم نے تیرے نام لکھا ہے۔"

یہ کہہ کر عَمرو نے ایک کاغذ پر ایسی خُفیہ زبان میں جسے امیر حمزہ ہی پڑھ سکتے تھے، ایک جُملہ لکھا اور اُس کاغذ کو مینار کے دریچے سے اُچھال دیا۔ یہ کاغذ اُڑتا اُڑتا ٹھیک امیر حمزہ کے قدموں میں آن کر گرا۔ اُنھوں نے اُسے اُٹھایا اور دیکھا۔ تب دل میں ہنسے اور کہنے لگے۔ "مجھے پہلے ہی شُبہ ہو گیا تھا کہ معاملہ گڑ بڑ ہے۔"

کاغذ پر لکھا تھا۔ "میں عَمرو ہُوں۔ عیّاری کے ذریعے خُداوندِ مینار نشین کو قید کر کے داخلِ زنبیل کیا اور اب اُس کی جگہ سنبھال لی ہے۔ کوہِ ثُریّا کا سارا علاقہ اگر مجھے دے دو تو تمھاری جان بخشی کروں ورنہ مارے جاؤ گے۔"

جب وہ یہ رُقعہ پڑھ چُکے تو اُونچی آواز سے کہا۔ "میں تجھے ایک پائی بھی دینے کو تیار نہیں ہُوں۔"

تب عَمرو نے چِلاّ کر الکہ زنگی سے کہا۔ "دیکھتا کیا ہے۔ جلد حمزہ کو قتل کر۔"

جلّاد نے امیر حمزہ کی گردن جُھکائی۔ فاریاب شاہ رونے اور چِلّانے لگا۔ پھر مینار سے آواز آئی۔

"اے حمزہ، اب بھی میری بات مان جا۔ مُفت میں کیوں جان دیتا ہے۔ کوہِ ثُریّا کا آدھا علاقہ مُجھے دے دے۔"

"ہرگز نہیں — جو تیرے جی میں آئے کر لے۔" امیر حمزہ نے جواب دیا۔

"اے بے مروّت شخص۔ ہمارے سارے اِحسانات بھُول گیا۔ یاد نہیں ہم نے تجھے بی بی زبیدہ کی مُرغیوں کے انڈے چُرا کر کِھلائے تھے۔ اب تجھ سے اِتنا نہیں ہوتا کہ یہ عِلاقہ مجھے دے۔"

امیر حمزہ اپنی ہنسی ضبط نہ کر سکے۔ الکہ زنگی سخت حیران پریشان تھا۔ امیر حمزہ سے کہنے لگا: "ایسا معلُوم ہوتا ہے کہ خُداوندِ مینار نشین سے تُمھاری پُرانی دوستی ہے۔"

"اے اُلکہ زنگی، یہ میرا دوست عمرو عیّار ہے جو خُداوند مینار نشین کو قید کر کے اُس کی جگہ بیٹھا ہُوا ہے اور اب چالاکی سے کوہِ ثریّا کا علاقہ مُجھ سے لینا چاہتا ہے مگر میں ایک ذرّہ بھی اُسے نہ دوں گا۔"

امیر حمزہ کی یہ بات سُن کر عمرو کو طیش آیا۔

الکۂ زنگی سے کہنے لگا "حمزہ کی بات پر کان نہ دھرنا۔ اِن لوگوں کو یہاں سے جانے کا حکم دو تاکہ ہم خود آئیں اور حمزہ کو اپنے ہاتھ سے قتل کریں۔"

الکۂ زنگی کے اِشارے پر سب لوگ وہاں سے چلے گئے۔ تب عَمرو مینار سے اُتر کر سامنے آیا۔ الکۂ زنگی، فاریاب شاہ اور کمبل زنگی نے اُسے دیکھتے ہی سجدہ کیا اور ہاتھ باندھ کر ادب سے کھڑے رہے۔ اُس نے گھور کر امیر حمزہ کو دیکھا اور کہنے لگا۔

"بھائی حمزہ، تم سخت کنجوس ہوتے جا رہے ہو۔ کوہِ ثریا کا علاقہ مجھے دے دیتے تو تمہارا کیا بگڑ جاتا۔ اتنے آدمیوں کے سامنے مجھے ذلیل کیا۔"

"یہ علاقہ میرا نہیں ہے، تمھیں کیونکر دے دوں۔ امیر حمزہ نے کہا۔ فاریاب شاہ سے درخواست کرو۔ وہی اُس کا مالک ہے۔"

قصّہ مختصر فاریاب شاہ نے ہنسی خوشی وہ علاقہ عَمرو کے حوالے کیا۔ تب اُس نے اپنی اصلی صورت سب کو دکھائی۔ کمبل زنگی اور الکۂ زنگی فوراً دینِ ابراہیمی میں داخل ہوئے۔ فاریاب شاہ بھی شرمندہ تھا کہ منع کرنے کے باوجود خداوندِ مینار نشین کو سجدہ کیا۔ آخر میں عَمرو نے

اپنی زنبیل میں سے بھتنے نکلے اور اُن کو حکم دیا کہ سونے کا یہ مینار زمین سے اُکھاڑ دو اور میری زنبیل میں رکھ دو۔ بھتنوں نے آناً فاناً مینار اُکھاڑا اور عمرو نے اسے بھی داخلِ زنبیل کیا۔

یہاں سے فرصت پا کر نارِیاب شاہ سب کو لے کر شہر میں آیا اور دل و جان سے امیر حمزہ اور عمرو کی خاطر تواضع میں مصروف ہُوا۔ شہزادی کاکل گشتا اور وزیر زادی دِل رُبا انھیں دیکھ کر بہت خوش ہُوئیں۔ چند روز یہاں قیام کر کے امیر حمزہ اور عمروِ عیار اصفہان کی جانب روانہ ہُوئے۔

شہزادہ قباد شہریار نے جب سُنا کہ امیر حمزہ اور عمروِ عیار آئے ہیں تو فوراً لاؤ لشکر کے ساتھ اِستقبال کو آیا اور اپنے والد کے قدموں پر بوسہ دیا۔ امیر حمزہ نے اُسے چھاتی سے لگایا۔ پھر دوستوں سے بغل گیر ہُوئے۔ عادی پہلوان کھا جانے والی نظروں سے عمرو کو دیکھ رہا تھا۔ موقع پا کر کہنے لگا۔

"بھائی عمرو، تُم سخت نا بکار آدمی ہو۔ خُدا جانتا ہے تُمھاری صُورت دیکھنے کو جی نہیں چاہتا۔ اِتنے دن سے کہاں تھے؟"

"او پہلوان ذرا منہ سنبھال۔ ادب سے بات کر۔" عمرو نے ناراض ہو کر کہا۔ معلوم ہوتا ہے چربی زیادہ چھا گئی ہے۔ کہو تو ابھی مزاج پوچھوں۔"

"مر گئے مزاج پوچھنے والے۔" عادی نے منہ بنا کر کہا۔

"ہم تو کہتے ہیں جانے دو، جانے دو۔ مگر آپ سر ہی پر چڑھے آتے ہیں۔ بھائی حمزہ کا لحاظ ہے ورنہ ابھی ہاتھ پیر توڑ کے رکھ دوں۔ ساری عیاری بھول جاؤ۔"

عمرو کا مارے غصے کے بُرا حال ہو گیا لیکن اتنی ہمت نہ تھی کہ عادی پہلوان سے دو دو ہاتھ کرتا۔ لندھور اور بہرام اُن کی چخ چخ سے مزے لے رہے تھے اور کوئی انھیں روکتا نہ تھا بلکہ مقبل وفادار نے عمرو کو چڑانے کے لیے کہا۔

"بس بھائی عمرو بس۔ دیکھتے نہیں عادی پہلوان اپنے آپے میں نہیں ہے۔ ایسا نہ ہو کہ تمھاری گدّی ناپ دے۔"

"بکواس بند کرو جی۔" عمرو دہاڑا۔ میں نے ایسے ایسے پہلوان بہت دیکھے ہیں۔ ابھی حمزہ سے شکایت کر کے اس کی مرمت کراتا ہوں۔"

"اسے کہتے ہیں بزدلی۔ تم خود آؤ نا۔" عادی نے سینہ

جھلا کر کہا۔
تب عمرو نے زنبیل میں سے خداوندِ مینار نشین کو نکالا اور اس سے پوچھا۔ سچ سچ بتا تو کون ہے ورنہ آگ میں جلا دوں گا۔"
"میں قومِ جنّات میں سے ہوں اور شیطان کا چیلا ہوں۔ اے عمرو مجھے چھوڑ دے۔ وعدہ کرتا ہوں کہ آئندہ خدا کی مخلوق کو گمراہ نہ کروں گا۔"
کھا سلیمان علیہ السّلام کی قسم۔" عمرو نے کہا۔
اس جن نے سلیمان علیہ السّلام کی قسم کھا کر اقرار کیا۔ عمرو نے اسے کمندوں کے حلقے سے آزاد کیا پھر کہنے لگا۔
"اے جن میرا ایک کام تو کرتا جا۔"
"فرمائیے۔ میں حاضر ہوں۔"
"عادی پہلوان کی طبیعت کچھ دیر سے خراب ہے۔ ذرا اسے درست کر دے۔"
"بہت بہتر جناب۔" جن نے کہا اور فوراً ایک سیاہ فام دیو کی شکل میں ظاہر ہوا اور عادی پہلوان کی طرف بڑھا۔ اسے دیکھ کر عادی کو خدا یاد آیا۔ سب خرمستیاں بھول گیا۔ اور بھاگا ایک طرف۔ مگر جن اس کے پیچھے

لپکا اور اُٹھا کر پٹخنی ایسی دی کہ عادی کی ہڈیاں چٹخ گئیں اور اس کی چیخیں آسمان تک پہنچیں۔ اِتنے میں امیر حمزہ اُدھر آ نکلے دیکھا کہ ایک سیاہ فام دیو عادی کی ٹھکائی کرنے میں مصروف ہے اور عادی کی حالت یہ ہے کہ ذبح کیے ہوئے مُرغ کی طرح پھڑپھڑا رہا ہے۔ تب امیر حمزہ نے اُسے للکارا اور کہا۔

"خبردار، وہیں رُک جا۔ بتا تُو کون ہے؟"

"جناب، یہ وہی خداوندِ مینار نشین صاحب ہیں جو کوہ ثریا پر سونے کے مینار میں تشریف رکھتے تھے۔ اور خدا کے بندوں کو صحیح راستے سے بھٹکاتے تھے۔ میں نے ان کو پکڑ کر قید کیا۔ معلوم ہوا کہ آپ جنّات میں سے ہیں۔ اِنھوں نے سلیمان علیہ السّلام کی قسم کھائی ہے کہ آیندہ یہ شیطانی حرکتیں نہ کریں گے۔ عادی پہلوان کے دماغ پر چربی کچھ زیادہ چڑھ گئی تھی۔ جب سے میں آیا ہُوں اُسی وقت سے اول فول بک رہے تھے۔ میں نے اِس جن کو حکم دیا ہے کہ ذرا عادی بھائی کی طبیعت صاف کر دے۔"

عَمرو کی یہ تقریر سُن کر امیر حمزہ اپنی ہنسی ضبط نہ کر سکے۔ آخر عادی پہلوان گرتا پڑتا آیا اور عَمرو

سامنے ہاتھ جوڑ کر کھڑا ہو گیا۔ عُمرو نے اُسے معاف کیا۔ پھر وہ جن نظروں سے غائب ہُوا۔

اتنے میں جاسوس خبر لائے کہ دشمن کی فوج قلعۂ اصفہان سے نکل کر میدانِ جنگ میں صفیں باندھ رہی ہے اور اُس کی نیت ٹھیک نہیں ہے۔ امیر حمزہ نے بھی اپنے لشکر کو آراستہ ہونے کا حکم دیا اور تھوڑی دیر بعد میدان میں جا پہنچے۔ دُوسری جانب سے مالک اژدر سُرخ گھوڑے پر سوار ہو کر آیا۔ نقارچیوں نے پُوری قوّت سے ڈھول تاشے بجائے۔ مالک اژدر نے بُلند آواز سے کہا۔

"کوئی ہے جو میرے مُقابلے پر آئے؟"

لندھور نے اُس وقت امیر حمزہ کی طرف دیکھا اور عرض کیا کہ اجازت ہو تو میں اس کے مُقابلے میں جاؤں۔ امیر نے اجازت دی۔ لندھور نے اٹھارہ مَن وزنی گُرز سنبھالا اور سیاہ گھوڑے پر سوار ہو کر میدان میں آیا۔ وہ عادت کے مُطابق اپنا گُرز ہوا میں اُچھالتا جاتا تھا۔۔۔ مالک اژدر نے لندھور کو دیکھا تو دہشت سے کلیجا اُچھل کر مُنہ کو آ گیا۔ پیشانی پسینے میں تر ہو گئی۔ ہکلا کر بولا۔

"اے شیر دِل پہلوان، سچ بتا تُو کون ہے؟ کیا تیرا

ہی نام حمزہ ہے"۔

لندھور بادل کی طرح گرجا اور بجلی کی مانند کڑک کر کہنے لگا۔"میرا نام لندھور ہے۔ سراندیپ کے جزیرے کا راجا ہُوں۔ حمزہ کا مُنہ بولا بھائی اور جاں نثار ہُوں"۔

مالک اژدر نے لندھور کا نام سُن رکھا تھا۔ وہ مُقابلے سے جی چرانے لگا۔ بولا" اے لندھور، آفرین ہے تجھ پر کہ اپنی سلطنت چھوڑی اور حمزہ کی غُلامی کا حلقہ کانوں میں ڈلوایا۔ میں بھی اپنے مُلک کا بادشاہ ہُوں اور بادشاہ ہمیشہ بادشاہوں سے لڑا کرتے ہیں۔ تُو حمزہ کا غُلام ہے اس لیے میں تجھ سے نہ لڑوں گا۔ بہتر یہی ہے کہ شہزادہ قباد شہریار کو بھیج"۔

لندھور نے قہقہہ لگا کر کہا" ارے بُزدل، میں سمجھ گیا۔ تُو مُجھ سے لڑنا نہیں چاہتا۔ بہانے بازی کرتا ہے بہتر ہے۔ تیری خواہش پُوری کی جائے گی۔ یہیں موجُود رہ۔ میں واپس جا کر شہزادہ قباد شہریار کو بھیجتا ہُوں"۔

لندھور اپنے گھوڑے کو اُلٹے قدموں لایا اور امیر حمزہ سے سب ماجرا کہا۔ شہزادہ قباد شہریار سب کچھ سُنتا تھا۔ فوراً میدان میں جانے کے لیے آمادہ ہُوا۔ مالک اژدر نے دیکھا کہ ایک حسین و جمیل شہزادہ جس کے چہرے پر

بھول پن کے آثار ہیں سفید گھوڑے پر سوار ہاتھ میں تلوار لیے مُسکرا رہا ہے۔ وہ سمجھ گیا کہ یہی شہزادہ قباد شہریار ہے۔ پھر بھی اپنا شک دُور کرنے کے لیے پُوچھا۔

"کیوں صاحب زادے، کیا تمھارا نام قباد شہریار ہے اور تُمھی حمزہ کے بیٹے اور نوشیرواں کے نواسے ہو؟"

"اے اژدر، خُوب پہچانا۔ تُو عقل مند آدمی دِکھائی دیتا ہے۔ اب یہ بحث چھوڑ اور کُچھ کام دِکھا۔ تیری قسمت اچھی تھی کہ لندھور نے تیرے ساتھ جنگ نہ کی ورنہ تیرا جسم قیمہ بن جاتا۔ میں تجھے ایسی عبرت ناک موت نہ ماروں گا۔"

مالک اژدر کا چہرہ مارے غُصّے کے لال بھبھوکا ہو گیا۔ میان سے تلوار کھینچ کر شہریار کی طرف لپکا اور اِتنی پُھرتی سے حملہ کیا کہ شہریار کی جگہ کوئی اور ہوتا تو اُس کا جسم ہزار ٹکڑے ہو کر زمین پر گرتا مگر شہزادہ شہریار مُسکرا مُسکرا کر مالک اژدر کا ہر حملہ روکتا رہا۔ جب تلوار چلاتے چلاتے اژدر کے بازُو شل ہوئے اور شہریار کو خراش تک نہ آئی تب اژدر کے دِل پر ہیبت طاری ہُوئی اور اُس نے بھاگنے کی ٹھانی لیکن شہزادہ اُس کا اِرادہ بھانپ گیا اور ایسا ہاتھ تلوار کا مارا کہ اژدر کی گردن بھُٹا سی اُڑ گئی۔ اُس کا لاشہ گھوڑے سے زمین پر

گرا اور چند لمحے تڑپنے کے بعد سرد پڑ گیا۔

امیر حمزہ کے لشکر نے فتح کا نعرہ اس زور سے لگایا کہ زمین ہل گئی۔ ادھر بختک نے فوراً واپسی کا طبل بجوایا اور دیکھتے ہی دیکھتے دشمنوں کی فوج میدان چھوڑ کر قلعے میں پناہ گزین ہوئی۔ لندھور اور بہرام نے امیر حمزہ کو مشورہ دیا کہ فی الفور قلعہ اور شہر اصفہان پر قبضہ کیا جائے مگر انھوں نے ہنس کر کہا۔

"میں جب چاہوں خدا کے فضل سے قلعہ اور شہر پر قبضہ کر سکتا ہوں لیکن نوشیرواں کا احترام اب بھی میرے دل میں ہے۔ پہلے اسے پیغام بھیجتا ہوں اور پوچھتا ہوں کہ کیا صلاح ہے، پھر کارروائی کروں گا۔"

امیر حمزہ کی یہ تجویز سب نے پسند کی البتہ عمرو منہ سے کچھ نہ بولا۔ حمزہ نے خیال کیا کہ شاید اسے یہ تجویز پسند نہیں آئی۔ کہنے لگے۔ بھائی عمرو، تم بھی کچھ مشورہ دو۔ چپ چپ کیوں ہو؟"

مشورہ تو میں دے سکتا ہوں مگر آپ مانیں گے نہیں۔ اس لیے چپ رہنا ہی بہتر ہے۔" عمرو نے جواب دیا۔

"نہیں نہیں، ایسا نہ کہو۔ اگر تمھاری بات معقول ہوئی تو

ضرور مانی جائے گی۔"

میری تجویز یہ ہے کہ قلعے اور شہر پہ فی الحال قبضہ نہ کیا جائے البتہ نوشیرواں اور مندیل اصفہانی سے خراج ضرور وصول کرنا چاہیے اور اس کی تدبیر یہ ہے کہ میں عادی پہلوان کو اپنے ساتھ لے کر اصفہان میں جاتا ہوں اور نوشیرواں سے کہتا ہوں کہ اس پہلوان کے وزن کے برابر سونا تول کر میرے حوالے کرد۔"

عمرو کی یہ تجویز ایسی عجیب تھی کہ ہنستے ہنستے سب کے پیٹ میں بل پڑ گئے۔ امیر حمزہ نے کہا۔

"ہمیں یہ بات منظور ہے بشرطیکہ عادی پہلوان تمھارے ساتھ جانے کے لیے تیار ہو جائے۔"

"اسے راضی کرنا میرا کام ہے۔" عمرو نے کہا، "آپ نوشیرواں کے نام خط لکھیے۔"

امیر حمزہ تو نوشیرواں کے نام خط لکھنے میں مصروف ہوئے اور ادھر عمرو عیار عادی کو ڈھونڈنے نکلا۔ وہ اپنے خیمے میں پڑا بے خبر سو رہا تھا اور خراٹوں کی بھیانک آواز سے زمین لرز رہی تھی۔ عمرو نے اس کے تلوے سہلائے۔ عادی نے آنکھیں کھول دیں۔ دیکھا کہ عمرو پائنتی کھڑا مسکرا رہا ہے۔ عادی نے دل میں سینکڑوں گالیاں دیں مگر ظاہر

یہ کیا کہ اُسے عمرو کو دیکھ کر بے حد خوشی ہُوئی ہے۔ فوراً اُٹھ بیٹھا اور کہنے لگا۔

"آئیے آئیے۔ تشریف لائیے۔ کوئی نیا گُل کھلانے کا اِرادہ ہے؟"

"ارے نہیں عادی بھائی — ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ کبھی کبھی مُجھ پر پاگل پن کا دورہ پڑا کرتا ہے اور اِس دورے کی حالت میں کُچھ ہوش نہیں رہتا کہ میں کیا حرکتیں کرتا ہُوں۔ تُم سے بھی کئی بار اِسی حالت میں گُستاخی کر چُکا ہُوں۔ اب اِس کی معافی مانگنے آیا ہُوں۔"

یہ سُن کر عادی بڑا خُوش ہُوا۔ بولا "عمرو بھائی اب اِس قِصّے کو نہ چھیڑو۔ خُدا جانتا ہے میں تُمھاری کِتنی عِزّت کرتا ہُوں۔ اکیلے میں بے شک سو جُوتے مار لو مگر سب کے سامنے بے عِزّتی نہ کیا کرو۔"

"بُہت اچھا، آیندہ خیال رکھوں گا۔" عمرو نے کہا۔ "آؤ آج تُمھاری حلوے کی دعوت ہے۔"

"واہ وا۔ پھر تو مزے آ گئے۔" عادی ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہُوئے بولا۔ جلدی چلو۔"

عمرو عیّار عادی پہلوان کو باتوں میں لگاتا اور بہلاتا پُھسلاتا ہُوا اپنے خیمے پر لایا۔ پھر باورچیوں کو بُلا کر حکم

دیا کہ حلوے کی کڑاہیاں چڑھاؤ۔ چار پانچ من حلوا پکایا گیا اور اُس میں عمرؔو نے طرح طرح کے میوے اور خُوب گھی ڈلوایا۔ عادی حیران تھا کہ آج عمرؔو کو کیا ہو گیا ہے۔ اِس نے ایسی سخاوت پہلے کبھی نہ کی تھی۔

عادی نے حلوا کھانا شرُوع کیا اور اِتنا کھایا اِتنا کھایا کہ حلق تک پیٹ بھر گیا اور اُس سے اُٹھ کر کھڑا بھی نہ ہُوا جا سکا۔ تب عمرؔو نے ایک پالکی طلب کی۔ اِس میں عادی کو بٹھایا اور اِس پالکی کو ہاتھی پر رکھوا کر اصفہان کی جانب روانہ ہو گیا۔ عادی پہلوان رستے ہی میں خراٹے لینے لگا۔ اُس نے عمرؔو سے یہ بھی پُوچھنے کی زحمت نہ کی کہ مجھے کہاں لیے جا رہے ہو۔

قلعہ اصفہان کے دروازے پر پہنچ کر عمرؔو نے پہرےداروں سے کہا: "نوشیرواں بادشاہ کو خبر کرو کہ عمرؔو امیر حمزہ کا خط لے کر آیا ہے۔"

پہرےداروں نے جس وقت نوشیرواں کو عمرؔو کے آنے کی اطلاع دی اُس وقت نوشیرواں کے پاس بختک بھی بیٹھا ہُوا تھا۔ یہ سُن کر اُس کا رنگ زرد ہُوا۔ دِل میں ڈرا کہ ضرُور کوئی آفت آنے والی ہے۔ نوشیرواں بھی گھبرا

گیا۔ مگر کچھ بھی ہو، بہر حال وہ بادشاہ تھا۔ پہرے داروں سے کہا، کہ عمرو کو لے آئیں۔"

عمرو جب دربار میں داخل ہوا۔ تو سب سنبھل کر بیٹھ گئے۔ جس ہاتھی پر عادی پہلوان لدا ہوا خراٹے لے رہا تھا وہ بھی عمرو کے پیچھے پیچھے دربار میں چلا آیا۔ عمرو نے چاروں طرف گھومتی ہوئی نظر ڈالی۔ خواجہ بزرجمہر نوشیرواں کے دائیں جانب کرسی پر بیٹھے تھے۔ عمرو نے پہلے انھیں جھک کر سلام کیا پھر نوشیرواں کو۔ اس کے بعد جیب سے ریشمی تھیلی نکال کر نوشیرواں کو پیش کی۔ بادشاہ نے تھیلی میں سے ہرن کی جھلی پر لکھا ہوا خط نکال کر بختک کی طرف بڑھایا اور کہا۔

"اسے اونچی آواز سے پڑھ کر سنا۔"

بختک نے خط دیکھ کر منہ بنایا۔ پھر یوں پڑھنے لگا۔

حمزہ کی جانب سے نوشیرواں کو معلوم ہو کہ شہر اصفہان اور قلعۂ اصفہان پر قبضہ کرنا میرے لیے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے لیکن اپنے بھائی عمرو کی سفارش پر میں نے فی الحال قلعے اور شہر پر قبضہ کرنے کا ارادہ ملتوی کر دیا ہے لیکن ایک شرط ہے اور وہ یہ کہ عادی پہلوان کے وزن کے برابر سونا تول کر عمرو کے حوالے کیا جائے۔ اگر ایسا نہ

ہُوا تو نتیجے کی ذمّہ داری نوشیرواں پر ہوگی۔

امیر حمزہ کا یہ خط جب پڑھا گیا تو دربار میں چند لمحوں کے لیے سنّاٹا چھا گیا۔ ہر شخص ایک دوسرے کا مُنہ دیکھ رہا تھا۔ آخر نوشیرواں نے مہلیل سے کہا۔"تمھاری کیا رائے ہے؟"

حضور، میری رائے میں سونا دے دیا جائے تو اچھا ہے ورنہ شہر اور قلعہ ہمارے ہاتھ سے جاتا رہے گا۔"

مندیل نے بھی اِس رائے سے اِتّفاق کیا۔ اب عُمَرو نے رُوئی کی بتّی بنا کر عادی کی ناک میں ڈالی۔ عادی نے ایسی بھیانک چھینک ماری کہ در و دیوار ہل گئے اور ہاتھی خوف زدہ ہو کر بُری طرح چنگھاڑنے لگا۔ عادی نے آنکھیں کھولیں تو اپنے سامنے شہنشاہ نوشیرواں، خواجہ بزرجمہر اور بختک وغیرہ کو بیٹھے پایا۔ پھر اُس نے عُمَرو کو دیکھا کہ قریب ہی کھڑا ہنس رہا ہے۔ عادی نے کنکھیوں سے اہلِ دربار کو دیکھتے ہُوئے عُمَرو سے پُوچھا۔

"یہ کیا قِصّہ ہے عُمَرو بھائی، تُم مُجھے کہاں لے آئے؟"

"اے پہلوان ہوش میں آؤ۔ ہاتھی کی پیٹھ خالی کر کے زمین پر اُترو۔ ابھی تُم کو سونے میں تولا جائے گا۔"

تھوڑی دیر میں ایک ترازو وہاں لائی گئی جس کے

ایک پلڑے میں بڑی مشکل سے عادی پہلوان کو ٹھونسا گیا۔ پھر دوسرے پلڑے میں سونے کی اینٹیں رکھی جانے لگیں۔ لیکن عادی کا پلڑا کسی طرح نہ اُٹھا۔ آخر مندیل اور نوشیرواں دونوں کے خزانے خالی ہو گئے۔ پھر سونے کے بعد جواہرات کی باری آئی۔ آخر میں کئی لاکھ اشرفیاں بھی پلڑے میں ڈالی گئیں۔ تب عادی کا پلڑا آہستہ آہستہ زمین سے اُٹھا اور نوشیرواں کی جان میں جان آئی۔ بختک دل ہی دل میں عمرو کو گالیاں دے رہا تھا کہ کم بخت نے سونا ہتھیانے کی اچھی تدبیر کی ہے کہ عادی جیسے انسانی ہاتھی کو اپنے ساتھ لے آیا ہے۔

عمرو نے وہ تمام سونا اور ہیرے جواہرات اُٹھا کر زنبیل میں رکھے اور سب کو سلام کر کے واپس آیا۔ راستے میں عادی پہلوان کے پیٹ میں گڑبڑ شروع ہوئی اور اُس کا بُرا حال ہو گیا۔ عمرو اُسے جوں توں کر کے لشکر میں لایا۔ امیر حمزہ سے سارا ماجرا کہا۔ اُنھوں نے عادی کی حالت دیکھی اور اُسے ڈانٹا کہ اتنا حلوا ہڑپ کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ خبردار آیندہ ایسی حرکت کی تو مجھ سے بُرا کوئی نہ ہو گا۔ پھر طبیب اقلیموں کو طلب کر کے حکم دیا کہ عادی پہلوان کا علاج کرو۔ اگر یہ مر

گیا تو اس کے ساتھ تمھیں اور عمرو دونوں کو دفن کروں گا۔"

یہ سن کر طبیب اقلیموس اور عمرو دونوں کے حواس گم ہو گئے۔ اُدھر عادی پہلوان کی نبضیں آہستہ آہستہ چھوٹنے لگیں عمرو نے طبیب اقلیموس کے پیر پکڑ لیے اور کہا۔ "حکیم جی، اسے جلد ٹھیک کرو ورنہ ہم دونوں مارے جائیں گے۔"

یہ پہلا موقع تھا کہ طبیب اقلیموس کے سامنے عمرو لاچار ہوا۔ اقلیموس بھی اس کی حرکتوں سے سخت پریشان تھا۔ اطمینان سے کہنے لگا: "اسے ٹھیک تو میں کر دوں گا مگر سونے کی ایک ہزار اینٹیں تمھیں دینا ہوں گی۔ بولو یہ شرط منظور ہے؟ اگر منظور ہے تو اینٹیں پیشگی مجھے دے دو۔"

طبیب اقلیموس کی یہ شرط سن کر مارے غصّے کے عمرو کا بُرا حال ہو گیا۔ اس کا بس چلتا تو اقلیموس کو کچا چبا جاتا مگر معاملہ بڑا بے ڈھب تھا۔ دل میں کہا آج بُرے پھنسے۔ اِس حکیم کے بچّے کو بھی یہ موقع خوب ہاتھ آیا۔ سونے کی ایک ہزار اینٹیں مجھ سے ہتھیانے پر تُلا ہُوا ہے۔ اچھا بیٹا، تجھ کو وہ مزا چکھاؤں گا کہ زندگی بھر فراموش نہ کرے۔

عمرو نے زنبیل سے ایک ہزار اینٹیں نکال کر اقلیموں کے آگے دھر دیں اور کہا: حکیم جی، ایک ہزار اینٹیں کیا بھائی عادی کی جان بچانے کے لیے میں اپنی جان دینے کو بھی تیار ہوں۔"

اقلیموں جانتا تھا کہ یہ سب ظاہر داری ہے۔ عمرو کے دل میں کچھ اور ہے اُس نے ان اینٹوں کو اپنے خیمے میں بھجوایا۔ پھر عادی کو ایک زبردست جلاب دیا جس سے اُس کا پیٹ تھوڑی دیر میں بالکل صاف ہو گیا۔ اور درد کی تکلیف جاتی رہی۔

رات ہوئی تو عمرو نے سبز کمبل اوڑھا اور طبیب اقلیموں کے خیمے میں داخل ہوا۔ وہ بے چارہ مسہری پر پڑا بے خبر سو رہا تھا۔ عمرو اُس کی چھاتی پر چڑھ بیٹھا اور ٹینٹوا دبایا۔ اقلیموں کی آنکھ کھل گئی۔ سینے پر بھاری وزن محسوس ہوا اور گلے پر کسی اَن دیکھے ہاتھ کا دباؤ — دہشت سے رُواں رُواں کھڑا ہو گیا۔ تب عمرو نے آواز بدل کر کہا۔

"اے اقلیموں، اُٹھ میرے ساتھ چل — تیری رُوح قبض کرنے آیا ہوں۔"

لیکن .... لیکن تُم ہو کون؟ اور رُوح کیوں قبض کرنا

چاہتے ہو؟"

"ہاہاہا ـــ تو پوچھتا ہے میں کون ہوں؟ ارے بدبخت میں موت کا فرشتہ ہوں۔"

"مگر کیا میرا وقت پورا ہو گیا؟" اقلیموں نے کہا۔

"اور نہیں تو کیا میں تجھ سے مذاق کرنے آیا ہوں۔" عمرو نے بھیانک آواز میں کہا۔ اچھا اب باتیں مت بنا اور مرنے کے لیے تیار ہو جا ـــ کوئی وصیت وغیرہ کرنی ہو تو جلدی سے لکھ لے۔"

طبیب اقلیموں کے حواس گم تھے۔ اس کے منہ سے دیر تک کوئی لفظ نہ نکل سکا۔ آخر عمرو نے ڈپٹ کر کہا۔ "اب بولتا کیوں نہیں؟ کیا سوچ رہا ہے؟ جان بچنے کا ایک ہی طریقہ ہے۔"

"وہ کیا؟ جلدی بتاؤ۔ میں اس پر عمل کرنے کے لیے تیار ہوں۔"

"اپنی ساری دولت عمرو عیار کے سپرد کر دے۔"

یہ کہہ کر عمرو نے اقلیموں کا گلا ذرا زور سے دبایا۔ بے چارے کی زبان باہر آ گئی۔ وہ بُری طرح تڑپا۔ پھر حلق پھاڑ کر چلایا۔ "میں زندہ رہنا چاہتا ہوں ـــ جو کہو گے مجھے منظور ہے۔"

تب عمرو اُس کی چھاتی سے اُترا۔ اور کہنے لگا۔"اب میں جاتا ہوں۔ اگر تم نے اپنا وعدہ پُورا نہ کیا تو زندہ نہ چھوڑوں گا۔"

صُبح سویرے طبیب اقلیموں اُٹھا اور سیدھا امیر حمزہ کے پاس پہنچا۔ اُنھیں رو رو کر ساری داستان سُنائی اور آخر میں کہا۔"جناب یہ سب شرارت عمرو عیار کی معلوم ہوتی ہے۔ ورنہ موت کے فرشتے یُوں باتیں نہیں کیا کرتے۔ آپ مہربانی کر کے عمرو کو سمجھائیں کہ ایسی حرکتیں میرے ساتھ نہ کرے۔"

اقلیموں کی داستان سُن کر امیر حمزہ خُوب ہنسے اور اُسی وقت عمرو کو طلب کیا۔ وہ آنکھیں ملتا ہُوا آیا۔ دیکھا کہ طبیب اقلیموں مُنہ پُھلائے بیٹھا ہُوا ہے۔ سمجھ گیا کہ میری شکایت ہو گئی ہے۔ انجان بن کر پُوچھنے لگا۔

"خیر تو ہے بھائی حمزہ، سویرے سویرے مُجھے کیوں بُلوایا ہے؟"

"روز بروز تُمھاری حرکتیں عجیب ہوتی جا رہی ہیں۔"امیر حمزہ نے کہا۔"آخر طبیب اقلیموں سے تُمھاری کیا دُشمنی ہے جو تُم انھیں تنگ کرتے ہو؟"

"دُشمنی؟ طبیب اقلیموں سے؟ آپ سے کس نے کہا ہے

کہ میں اِن کا دشمن ہُوں۔" عمَرو نے کہا۔

"زیادہ چالاک مت بنو۔ میں نے سب کہانی سُن لی ہے تُم نے رات کو انھیں بہت پریشان کیا ہے۔ اب اِس کی سزا یہ ہے کہ ایک ہزار سونے کی اینٹیں اور اِن کے حوالے کرو اور آیندہ میں کوئی شکایت تُمھاری نہ سُنوں۔"

عمَرو کے پیروں تلے سے زمین نکل گئی۔ اُلٹی آنتیں گلے پڑیں۔ اقلیمُوں کی دولت تو کیا ہاتھ آتی اپنے پلّے سے ایک ہزار سونے کی اینٹیں اور دینی پڑیں۔ وہ خُون کے گھُونٹ پیتا ہُوا وہاں سے چلا گیا اور غُلاموں کے ہاتھ اقلیمُوں کے ڈیرے پر اینٹیں بھجوا دیں لیکن دِل میں عہد کر لیا تھا کہ اس اقلیمُوں کے بچّے کو موقع پاتے ہی وہاں ماروں گا جہاں پانی بھی نہ مِلے گا۔

لنڈھور کہاں گیا؟

ایک دِن عَمرو عیّار صحرا کی سیر کو نِکلا۔ یکایک دیکھا کہ گل باد عراقی اور اُس کا بھائی گُل باد چلے آتے ہیں۔ اُنھوں نے عَمرو کو گھیر لیا اور لڑائی ہونے لگی۔ مُمکن ہے اُس وقت عَمرو اُن دونوں پر قابو پا لیتا لیکن اِتنی ہی دیر میں گُل باد کے کئی شاگِرد اُدھر آ گئے۔ تب عَمرو اپنی جان بچا کر وہاں سے بھاگا اور کئی کوس دُور نکل گیا۔

وہ ایک حسین نخلستان میں پہنچ کر رُکا۔ قریب ہی ایک چشمہ بھی موجود تھا جس کا پانی ایک تالاب میں جمع ہو رہا تھا۔ عَمرو کو پیاس لگ رہی تھی، سوچے سمجھے بغیر اُس تالاب میں مُنہ ڈال کر پانی پی لیا۔ پانی کا حلق سے اُترنا تھا کہ بے ہوش ہو کر گرا۔ گُل باد اور گُل لو بھی پھرتے پھراتے اُدھر آ نکلے۔ دیکھا کہ عَمرو عیّار تالاب کے کنارے بے ہوش پڑا ہے۔ اُنھوں نے اُسی وقت

اُس کو پکڑ لیا پھر اُس کی جیبیں ٹٹولیں۔ ایک جیب میں سے کچھ پڑیاں بر آمد ہوئیں۔ گُل باد اور کُل باد نے اُن پڑیوں کو کھول کر دیکھا اور فوراً غش کھا کر گرے۔ در اصل اُن پڑیوں میں دوائے بے ہوشی تھی۔ تھوڑی دیر بعد عمرو ہوش میں آیا۔ کیا دیکھتا ہے کہ گُل باد اور کُل باد دونوں لمبے لمبے پڑے ہیں۔ عمرو نے جھٹ کمند سے اُن کو باندھ کر زنبیل میں ڈالا اور اپنے لشکر میں آیا۔ امیر حمزہ نے پوچھا تو سارا حال بیان کیا۔ اُنھوں نے کہا کہ ابھی گُل باد اور کُل باد کو قید میں رکھو۔ ایک دو روز بعد اُن سے گفتگو کریں گے۔

اِتنے میں ایک شخص گھوڑے پر سوار سرپٹ آیا۔ عمرو نے اُس سے پوچھا۔ "تُو کون ہے اور تجھ پر کیا آفت آئی ہے کہ یُوں بھاگا آتا ہے؟"

سوار نے گھوڑے سے اُتر کر امیر حمزہ کو سلام کیا اور کہا۔ جناب، مجھے فاریاب شاہ نے بھیجا ہے۔ مرزبان خُراسانی لشکر جرّار لے کر اُس کے مُلک پر چڑھ آیا ہے اور کہتا ہے کہ اگر اپنی بیٹی کا گل گشا سے میری شادی نہ کی تو شہر کی اینٹ سے اینٹ بجا دُوں گا اور تمام باشندوں کو سُولی پر لٹکاؤں گا۔ فاریاب شاہ میں اُس سے

مُقابلے کی ہمّت نہیں ہے۔ وہ چاہتا تھا کہ اپنی بیٹی کی شادی مرزبان خُراسانی سے کردے لیکن کاکُل کُشا نے یہ شرط رکھی ہے کہ اگر مرزبان حمزہ یا لِندھور سے کُشتی لڑے اور اُن میں سے کسی ایک کو پچھاڑ دے تب میں اُس سے شادی کروں گی۔ میں اسی لیے آپ کے پاس آیا ہُوں۔"

قادر کی یہ کہانی سُن کر امیر حمزہ سوچ میں پڑ گئے۔ پھر ایک غلام کو روانہ کیا کہ لِندھور کو بُلا لائے۔ تھوڑی دیر بعد بُہت سے ہندی سپاہی روتے پیٹتے آئے اور کہنے لگے کہ لِندھور کا کہیں پتا نہیں۔ معلُوم ہُوا کہ رات کو اپنے خیمے میں سویا تھا۔ پھر نہ جانے کہاں غائب ہو گیا۔

امیر حمزہ سخت حیران اور پریشان ہُوئے۔ اُن کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ لِندھور ایکا ایکی کُچھ بتائے بغیر کہاں چلا گیا۔ اِدھر اُدھر پُوچھ گچھ کی مگر کُچھ پتا نہ چلا۔ آخر عمرو نے فال نکالی۔ اُس سے صرف اِتنا معلُوم ہُوا کہ مرزبان خُراسانی کے ایک عیّار سُبک پا، نے دھوکے سے لِندھور کو اِغوا کیا ہے اور اپنے ساتھ بے ہوش کر کے شیراز کی طرف لے گیا ہے تاکہ کُشتی نہ لڑنی پڑے۔

امیر حمزہ نے عمرو سے کہا: "ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ عیار تُبک پا تُم سے بھی زیادہ چالاک ہے۔ دیکھو کس صفائی سے لندھور کو نکال کر لے گیا۔ اب لطف یہ ہے کہ لندھور کو آزاد کرانے کے ساتھ ساتھ تُم تُبک پا اور مرزبان خُراسانی کو بھی کسی طرح اُٹھا لاؤ تاکہ ہم لندھور اور مرزبان کی کُشتی کا تماشا دیکھیں۔"

عُمرو نے کہا: "یہ کون سی بڑی بات ہے۔ ابھی جاتا ہُوں اور تُبک پا کو رگیدتا ہوں۔" یہ کہہ کر زنبیل میں ہاتھ ڈال کر گُل باد اور گُل باد کو باہر نکالا۔ انھیں ہوش میں لایا۔ جب انھوں نے عمرو کو اپنے سر پہ کھڑے پایا تو بڑے شرمندہ ہُوئے۔ جھٹ اُس کے قدموں پہ گِرے اور کہنے لگے۔

"آج سے ہم تُمھاری شاگردی میں داخل ہوتے ہیں۔ تُم واقعی اُستاد ہو۔ تُم سے کوئی بازی نہیں لے جا سکتا۔"

عُمرو یہ سُن کر خُوش ہُوا اور انھیں گلے سے لگایا۔ پھر وہ دونوں سچے دِل سے دینِ ابراہیمی میں داخل ہُوئے جب عمرو رُخصت ہونے لگا تو گُل باد، گُل باذ اور سرہنگ مصری اور ابُوالفتح نے بھی ضد کی کہ ہم بھی ساتھ

چلیں گے۔ سب عیّاروں نے اپنی اپنی صُورتیں بدلیں اور شیراز کی جانب روانہ ہُوئے۔ شہر میں پہنچ کر ایک سرائے میں اُترے۔ عُمرو نے کہا۔

اس شہر میں آ کر اپنے پاس سے خرچ کر کے روٹی کھائی تو ہماری عیّاری پر ہزار لعنت ہے۔ کمال تو جب ہے کہ اپنی گرہ سے ایک کوڑی خرچ نہ کریں اور پیٹ بھر جائے۔"

"اُستاد آپ ہی کوئی تدبیر کیجیے۔" گُل باد نے کہا۔

عُمرو نے ایک سوداگر کی صُورت بنائی اور اِن چاروں کو اپنا مُلازم بنا کر شیراز کے بڑے بازار میں آیا۔ وہاں ایک نان بائی کی دُکان پر گاہکوں کا ہجُوم تھا۔ معلُوم ہُوا کہ یہ نان بائی سب سے اچھا کھانا پکاتا ہے۔ عُمرو اُسی دُکان میں داخل ہُوا۔ نان بائی نے دیکھا اور خیال کیا کہ کوئی بڑا سوداگر ہے۔ اُس نے اُٹھ کر سلام کیا اور نہایت احترام سے بٹھایا۔ عُمرو نے رُعب سے کہا۔

"دیکھو میاں نان بائی، جو سب سے عُمدہ اور مہنگا کھانا ہو وہ ہمارے سامنے لاؤ۔ قیمت کے علاوہ ہم تمھیں انعام بھی دیں گے۔"

"بہت بہتر سرکار" نان بائی نے خُوش ہو کر کہا۔ پھر اُس

نے عمرو اور اُس کے شاگردوں کے آگے نیا دسترخوان بچھایا اور ہر رنگ اور ہر ذائقے کا کھانا لا کر چُن دیا۔ پانچوں نے خُوب سیر ہو کر کھایا۔ اِس اثنا میں ایک فقیر نے آن کر سوال کیا۔ عمرو نے نان بائی سے کہا کہ فقیر کو پانچ روپے دے دو۔ اُس نے صندوقچہ کھول کر پانچ روپے دے دیے۔ عمرو نے کہا کہ ہم کھانا کھا لیں تو بعد میں قیمت کے ساتھ یہ روپے بھی ادا کریں گے۔ اِتنی دیر میں کئی فقیر اور آئے۔ عمرو نے اُن کو بھی نان بائی سے پانچ پانچ روپے دِلوائے۔ پھر چند فقیر اور آ گئے اُن کو بھی روپے دیے گئے یہاں تک کہ نان بائی نے دو سو روپے فقیروں ہی میں تقسیم کر دیے۔

اِتنے میں عمرو اور اُس کے ساتھی کھانے سے فارغ ہو کر چلنے کے لیے تیار ہوئے۔ تب عمرو نے نان بائی سے کہا۔ "تمھارے صندوقچے میں اب کتنے روپے ہیں؟"

نان بائی نے روپے گنے اور کہا کہ دو سو روپے ہیں۔

عمرو کہنے لگا۔ "تم نے اپنے روپے گن لیے؟"

"جی ہاں ـــ مگر کھانے کی قیمت کے علاوہ جو روپے آپ نے خیرات میں دِلوائے ہیں، وہ بھی تو دیجیے۔"

"یار کیوں مذاق کرتے ہو۔ ابھی تو اپنے سامنے گنوا کر

میں نے صندوقچے میں رکھوائے ہیں۔"

یہ سنتے ہی نان بائی ہکّا بکّا رہ گیا۔ پھر ہنس کر کہنے لگا۔"واللہ، آپ بڑے ظریف ہیں۔ لائیے میرے روپے ادا کیجیے۔"

اتنے میں بہت سے لوگ وہاں اور آ گئے۔ عمرو نے اُن سے کہا۔"دیکھیے صاحب، ہم آپ کے شہر میں اجنبی ہیں۔ یہ نان بائی بے ایمانی سے دوبارہ پیسے مانگتا ہے۔ ابھی میں نے دو سو روپے اسے دیے ہیں اور اس نے گن کر صندوقچے میں رکھے ہیں۔ یقین نہ آئے تو آپ لوگ خود گن کر دیکھ لیں۔"

لوگوں نے نان بائی پر لعن طعن شروع کی اور وہ بے چارہ غل مچانے لگا کہ یہ سوداگر بڑا بے ایمان اور دغا باز ہے۔ اس نے کھانا الگ کھایا اور فقیروں کو روپے الگ دلوائے اور اب مکر کر رہا ہے۔"

اتفاق کی بات کہ ٹبک پا عیّار بھی اُدھر سے گزر رہا تھا۔ نان بائی کی دکان پر یہ ہنگامہ دیکھ کر اُدھر آیا عمرو نے ایسے دردناک لہجے میں اپنی کہانی سنائی کہ ٹبک پا کو ترس آیا اور نان بائی کے سر پر جوتے مار کر کہنے لگا۔

"چُپ بے حیا، شریف سوداگر پر تُہمت لگاتا ہے۔ خبردار! آیندہ ایسی حرکت کی تو جیل میں سڑوا دُوں گا۔"

عَمرُو نے تُبک پا کا شُکریہ ادا کیا اور کہا کہ اپنے گھر کا پتا بتائیے۔ میں کچھ نایاب چیزیں لایا ہوں۔ آپ کو دِکھاؤں گا جی چاہے تو خریدیے گا۔ تُبک پا نے اُسے اپنے گھر کا پتا بتا دِیا۔

اگلے روز عَمرُو نے اپنی اور اپنے ساتھیوں کی شکلیں تبدیل کیں۔ گُل باد کو مُردہ بنا کر چارپائی پر ڈالا، کالی چادر اُس کے اُوپر پھینکی اور تُبک پا کے دروازے پر پُہنچے۔ اُس نے قطعاً نہ پہچانا کہ یہ وہی سوداگر ہے۔ کہنے لگا: "کیا بات ہے؟ اس چارپائی پر کِس کی لاش ہے؟"

"جناب، یہ بے چارہ ایک لاوارث آدمی تھا۔ کل رات اِنتقال کر گیا۔ اب کفن دفن کے لیے چندہ جمع کر رہے ہیں۔ کچھ آپ بھی دیں ثواب کا کام ہے۔"

تُبک پا نے اُسی وقت جیب سے پچاس روپے نِکال کر دِیے۔ عَمرُو نے ان روپوں سے سرائے میں کھانا پکوایا۔ خُود بھی کھایا، دُوسروں کو بھی کھلایا اور پاؤں پھیلا کر اِطمینان سے سویا۔ وہ تین دِن تک روزانہ ایک مُردے کو چارپائی پر ڈال کر تُبک پا کے گھر لے جاتا رہا اور

اُس سے کفن دفن کے لیے روپے لیتا رہا۔ چوتھے روز عمرو کے درد اُٹھا وہ کہنے لگا: "لو بھائیو، ہمارا سلام ہے۔ اب ہم ہمیشہ کے لیے رُخصت ہوتے ہیں۔" یہ کہتے کہتے دم توڑ دیا۔ گل باد، گل باد، مہرہنگ مصری اور ابوالفتح کے ہوش اُڑ گئے۔ بے اختیار رونے اور سینہ پیٹنے لگے۔ تب عمرو نے آنکھیں کھولیں اور چُپکے سے کہا۔

"یارو، تم سب نالائق ہو۔ آج مُردہ بننے کی میری باری ہے۔ لو اب دیر نہ کرو۔ جلدی سے مجھے چارپائی پر ڈالو اور شُبک پا کے مکان پر لے چلو۔"

عمرو کو زندہ سلامت دیکھ کر ان چاروں کی جان میں جان آئی اور دل میں اُس کی عیّاری کے قائل ہوئے پھر اُسے چارپائی پر ڈال کر روتے پیٹتے شُبک پا کے مکان پر لے گئے۔ وہ آواز سُنتے ہی باہر آیا اور ناراض ہو کر کہنے لگا۔

"تم روز ایک مُردہ لے کر آن مرتے ہو۔ آخر یہ چکر کیا ہے؟ کیا تم مجھے دھوکا تو نہیں دیتے۔ چارپائی پر سے چادر ہٹاؤ۔ ہم ذرا مُردے کی صُورت تو دیکھیں۔"

چاروں عیّاروں نے چادر ہٹائی۔ شُبک پا نے دیکھا کہ حقیقت ہی مُردہ ہے۔ چہرے پر مُردنی چھائی ہے۔ ناک کا

بانسا پھرا ہوا ہے، کانوں کی لویں بھی مڑ گئی ہیں۔ آنکھوں میں حلقے پڑے ہیں اور نبضیں بھی رکی ہوئی ہیں۔ جسم سے مُردے کی بُو آتی ہے۔

یہ حال دیکھ کر ٹبک پا کو افسوس ہوا کہ اُس نے ان غریبوں پر خواہ مخواہ غصّہ کیا۔ پھر ایک شخص کو بلایا اور کہا اس میت کو غسل دو اور قبرستان میں قبر کھدوا کر دفن کر دو۔"

وہ شخص مُردے کو دریا کے کنارے لایا۔ چارپائی کے چاروں طرف قناتیں لگائیں، مُردے کو اُٹھا کر تختے پر لٹایا اور نہلانا شروع کیا۔ پھر کفن پہنایا۔ یکایک عمرو اُٹھ بیٹھا اور کہنے لگا۔

"میں بھوکا ہوں۔ مجھے کچھ کھلاؤ۔"

غسل دینے والا دہشت کے مارے بے ہوش ہو گیا۔ عمرو نے اُسے تھوڑی سی دوائے بے ہوشی بھی سنگھا دی تاکہ جلدی ہوش میں نہ آئے۔ پھر اُس کے کپڑے اُتار کر اپنا کفن اُسے پہنایا اور خود اُسی کی صورت بنا لی۔ اپنے عیّاروں کو بلایا اور اُس بے چارے کو چارپائی پر ڈال کر جنازے کی شکل میں قبرستان کی جانب لے چلے۔ گورکن نے قبر کھود رکھی تھی۔ عمرو نے اُس کی مدد سے جب غسّال کو قبر

میں اُتارا تو اُس نے آنکھیں کھول دیں۔ اپنے آپ کو کفن میں لپٹا ہُوا دیکھا تو غُل مچایا۔ گورکن مُردے کو زندہ ہوتے دیکھ کر بھاگا اور مُردہ اُس کے پیچھے لپکا۔ بھاگتے بھاگتے دونوں شہر میں آ گئے۔ لوگوں نے ایک مُردے کو کفن پہنے ہُوئے آتے دیکھا تو بھگدڑ مچ گئی اور جس کا جدھر مُنہ اُٹھا، اُدھر بھاگ نکلا۔

وہ شخص سیدھا مُبک پا کے مکان پر گیا اور رو رو کر ساری داستان سُنائی۔ مُبک پا سُن ہو گیا۔ اُس نے سوچا کہ یہ شرارتیں اور عیّاریاں عُمرو اور اُس کے ساتھیوں کے سوا کسی دُوسرے کی نہیں ہو سکتیں۔

اُدھر مرزبان خُراسانی کو بھی کسی نے یہ خبر پہنچا دی کہ عُمرو عیّار شہر میں گھس آیا ہے اور مُبک پا کو کئی روز سے چکما دے رہا ہے۔ اِتنے میں مُبک پا خُود وہاں آیا۔ مرزبان نے اُسے دیکھتے ہی ناراض ہو کر کہا۔

"لعنت ہے تجھ پر اور تیری عیّاریوں پر ــــ عُمرو تجھے کئی دِن سے ذلیل کر رہا ہے اور تجھ سے کُچھ بھی نہ ہو سکا۔ دُور ہو جا میرے سامنے سے۔ آیندہ اپنی شکل مجھے نہ دِکھائیو۔"

مُبک پا نہایت شرمندہ ہُوا۔ اُسی وقت اپنے چند آدمیوں کو لے کر عَمرو کی تلاش میں نکلا اور سرائے میں آیا۔ لیکن عَمرو اپنے عیاروں کو لے کر کہیں گیا ہُوا تھا۔ مُبک پا تو عَمرو کی جُستجو میں رہا اور اُدھر عَمرو لنڈھور کو ڈھونڈتا ہُوا اُس باغ میں آیا جہاں مرزبان خُراسانی نے اُسے قید کر رکھا تھا۔ اُس نے دیکھا کہ لنڈھور ایک کوٹھڑی میں بند ہے جس کے باہر دو حبشی غُلام پہرا دے رہے ہیں۔ عَمرو نے جھٹ اپنی صُورت مُبک پا کی سی بنائی اور کوٹھڑی کے نزدیک آیا۔ غُلاموں نے مُبک پا کو پہچان کر سلام کیا اور کہا۔

"کیا حُکم ہے جناب؟"

"جلد قیدی کو باہر نکالو" عَمرو نے حُکم دیا۔

غُلاموں نے فوراً کوٹھڑی کا دروازہ کھول کر لنڈھور کو باہر نکالا۔ وہ بے چارا لوہے کی موٹی موٹی زنجیروں میں جکڑا ہُوا تھا۔ مُبک پا کو اپنے سامنے دیکھتے ہی لنڈھور کو تاؤ آیا اور کہنے لگا۔

"بد ذات، کیوں تیری شامت آئی ہے۔ عَمرو کو اگر پتا چل گیا کہ تُو مُجھے دھوکے سے بے ہوش کر کے اُٹھا لایا ہے تو تیری ایسی گت بنائے گا کہ مرتے دم تک

نہ بھول سکے گا۔"

نقلی مُبک پا نے قہقہہ لگایا اور کہا "میں نے عمرو کا بھی بندوبست کر لیا ہے۔ اُسے چھٹی کا دودھ یاد نہ دلایا تو میرا نام مُبک پا نہیں کچھ اور رکھ دینا ــــ آؤ اب میرے ساتھ چلو۔ مرزبان خُراسانی تمھیں یاد کرتا ہے۔"

عمرو لندھور کو ایک گاڑی میں بٹھا کر لے چلا۔ پھر باغ سے باہر نکل کر اُسے کسی بہلانے دواتے بے ہوشی سُنگھائی اور جب وہ بے ہوش ہُوا تو زنبیل میں ڈال لیا۔

عمرو کے جانے کے آدھ گھنٹے بعد اصلی مُبک پا بھی اپنے آدمیوں کے ساتھ باغ میں آیا اور حبشی غلاموں سے کہنے لگا "قیدی کا کیا حال ہے؟"

غلاموں نے حیرت سے ایک دُوسرے کی طرف دیکھا اور کچھ جواب نہ دیا۔ اِس پر مُبک پا کو طیش آیا۔ چلّا کر بولا "تم لوگ پتھر کے بُت کیوں بن گئے؟ میری بات کا جواب ہی نہیں دیتے؟ میں پوچھتا ہوں قیدی کس حال میں ہے؟"

"جناب، یہ آپ کیا فرماتے ہیں۔" ایک غلام نے جواب دیا۔ "ابھی تھوڑی دیر پہلے آپ تشریف لائے تھے اور قیدی

کو اپنے ساتھ لے گئے تھے۔"

"کیا بکتے ہو؟ میں کب آیا تھا اور کب قیدی کو لے گیا۔ مُبک پا کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔" کہیں گھاس تو نہیں کھا گئے۔"

یکایک اُسے خیال آیا کہ عُمرو چوٹ دے گیا۔ مُبک پا نے کوٹھڑی میں جھانکا تو اُسے کنجوس کے دل کی طرح خالی پایا۔ پریشان ہو کر سر پیٹ لیا۔ پھر ہنٹر نکال کر حبشی غلاموں پر پل پڑا اور انھیں اِتنا پیٹا کہ بے چاروں کے جسم لہو لہان ہو گئے۔ کسی نے جا کر مرزبان کو یہ ساری داستان سُنائی۔ وہ خود دوڑا دوڑا آیا اور اُسی ہنٹر سے مُبک پا کو پیٹنا شروع کر دیا اور کہا۔

"نالائق، اپنا قصور اِن بے گناہ غلاموں کے سر تھوپتا ہے؛ شرم نہیں آتی؟"

"حضور، میرا خیال ہے کہ لندھور کو عُمرو نکال کر لے گیا ہے۔ اگر اجازت ہو تو میں کسی طرح لندھور کو دوبارہ پکڑ لاؤں۔"

"نہیں۔ یہ کام تمھارے بس کا نہیں ہے۔" مرزبان نے جواب دیا۔ پھر اپنا گھوڑا منگوا کر اِس پر سوار ہوا، سیدھا

فاریاب کے پاس پہنچا اور کہا "تمھاری بیٹی کا کُل کُشا کی خواہش ہے کہ میں لندھور سے کشتی لڑوں۔ میں اس کے لیے تیار ہوں لیکن شرط یہ ہے کہ یہ کشتی نوشیرواں کے سامنے ہوگی اور تم میرے ساتھ چلو گے۔"

فاریاب شاہ نے کہا "بھلا مجھے اِس میں کیا اعتراض ہے جس طرح چاہو کرو۔"

دونوں اپنی اپنی فوجیں لے کر اصفہان کی جانب روانہ ہُوئے۔

اُدھر عَمرو عیار شیراز سے نکلا اور اصفہان کی جانب آیا۔ راستے میں ایک مقام پر رُک کر لندھور کو زنبیل سے نکالا اور اُس سے سارا حال بیان کیا۔ لندھور بے حد خوش ہُوا اور کہا کہ لشکر میں چلو، تمھیں منہ مانگا انعام دُوں گا۔"

جب یہ لوگ اصفہان سے کئی منزلیں دُور رہ گئے اور رات سر پر آئی تو ایک پہاڑ کے دامن میں اُترے اور سو گئے۔ صبح عَمرو نے گُل باد سے کہا کہ تم جاؤ اور امیر حمزہ کو خبر دو کہ لندھور مِل گیا ہے اور ہم تھوڑی دیر بعد آتے ہیں۔ گُل باد تو حمزہ کو خبر دینے گیا اور اِدھر عَمرو صحرا کی سیر کو نکل گیا۔ یکایک پہاڑ پر سے

چند عورتیں اُتر کر آئیں اور لِنڈھور سے کہنے لگیں کہ آپ یہاں صحرا میں کیوں پڑے ہیں ؟ چلیے ہمارا مکان حاضر ہے۔ اُس میں چل کر آرام فرمائیے۔ لِنڈھور اُن کی باتوں میں آ گیا اور اُن کے ساتھ چل پڑا۔ وہ حیران تھا کہ اِس ویران پہاڑ پر مکان کہاں سے آیا۔

یہ عورتیں لِنڈھور کو لے کر پہاڑ کے ایک غار میں داخل ہوئیں اور جب دُوسری جانب نکلیں تو لِنڈھور نے اپنے آپ کو ایک پُر فضا مقام پر پایا۔ یہ نہایت حسین اور خُوش نُما باغ تھا جس کے بیچوں بیچ سنگِ مرمر کی عالی شان بارہ دری بنی ہُوئی تھی۔ جا بجا فوّارے چل رہے تھے اور باغ کے اندر سینکڑوں خُوش اِلحان پرندے درختوں کی شاخوں اور ٹہنیوں پر بیٹھے نغمے گا رہے تھے۔ بارہ دری کے اندر مخمل کا فرش بچھا تھا اور اُس پر ایک مسندِ جواہر نگار آراستہ تھی۔ لِنڈھور نے دیکھا کہ ایک شہزادی اِس مسند پر نہایت وقار اور دبدبے سے بیٹھی ہے۔ لِنڈھور نے اُسے سلام کیا تو وہ بولی۔

"خُوش آمدید۔ خُوش آمدید۔ سراندیپ کے ہزار جزیروں کے راجا لِنڈھور کو ہمارا سلام ہے۔"

لِنڈھور نے بھی سلام کا جواب دیا اور دِل میں حیران ہُوا

کہ اِسے میرے نام کا کیونکر علم ہُوا۔ شہزادی نے لِنڈھور کو اپنے پاس بٹھایا اور خُوب خاطِر تواضُع کی۔ پھر کہنے لگی۔

"مجھ کو معلوم ہے کہ آپ امیر حمزہ کے دوست ہیں اور حمزہ آپ کی ہر بات مانتے ہیں۔ میں چاہتی ہُوں کہ وہ میرے خِدمت گاروں میں شامِل ہو جائیں۔"

لِنڈھور اس بات پر اور حیران ہُوا اور کُچھ جواب نہ دیا۔ تب شہزادی کہنے لگی۔

"اے لِنڈھور کِس سوچ میں پڑا ہے؟ دیکھ میرا نام ریحانہ جادُوگرنی ہے۔ چاہُوں تو آناً فاناً تجھے جلا کر راکھ کر دُوں۔"

لِنڈھور یہ سُن کر طیش میں آیا اور اُٹھ کر جانا ہی چاہتا تھا کہ شہزادی نے مُنہ ہی مُنہ میں کوئی منتر پڑھ کر لِنڈھور کے پیر پر پُھونکا۔ لِنڈھور کا پیر وہیں کا وہیں رُک گیا اور حرکت کرنے کے قابِل نہ رہا۔ اِس کے بعد ریحانہ جادُوگرنی نے اپنی کنیزوں کو حُکم دِیا کہ اِسے لے جاؤ اور تاریک غار میں قید کر دو۔"

عَمرو عیّار جب سیر سے واپس آیا تو دیکھا لِنڈھور غائب ہے۔ ابُوالفتح، سرہنگ مِصری اور گل باد سے پُوچھا کہ

لنڈھور کہاں گیا؟ اُنھوں نے بتایا کہ پہاڑ کی چوٹی سے چند عورتیں اُتر کر آئی تھیں۔ وہ لنڈھور کو اپنے ساتھ لے گئی ہیں۔ یہ سُن کر عمرو پریشان ہُوا تاہم دِل مضبوط کر کے پہاڑ پر چڑھنے لگا۔

ابھی تھوڑا ہی فاصلہ طے کیا تھا کہ اُوپر سے چند عورتیں آئیں اور عمرو کو اپنے ساتھ اُسی باغ میں لے گئیں۔ ریحانہ جادُوگرنی اُسے دیکھ کر کچھ خوف زدہ ہوئی۔ کیونکہ وہ جانتی تھی کہ یہ شخص بہُت ہوشیار اور چالاک ہے۔ اس پر قابُو پانا آسان نہ ہو گا۔

عمرو بھی اُسے دیکھتے ہی سمجھ گیا کہ یہ جادُوگرنی ہے، اُس نے خنجر نِکال کر آستین میں چھپا لیا۔ ریحانہ جادُوگرنی نے مُسکراتے ہُوئے اُس کا اِستقبال کیا اور کہا "خوش آمدید اے عیّاروں کے عیّار خوش آمدید۔"

اب تو عمرو کے دِل میں کوئی شُبہ نہ رہا کہ یہ واقعی جادُوگرنی ہے۔ مسند پر بیٹھتے ہی کہنے لگا "میں اپنے ایک دوست لنڈھور کی تلاش میں آیا ہُوں۔ معلُوم ہُوا ہے کہ وہ اِسی طرف آیا تھا۔ تمھیں کچھ معلُوم ہو تو بتاؤ۔"

ریحانہ جادُوگرنی نے قہقہہ لگایا اور کہا۔ لنڈھور بڑا

بے وقوف آدمی ہے۔ ہم نے اُس سے ایک فرمائش کی جسے پُورا کرنے سے اُس نے اِنکار کیا اِس لیے ہم اُسے قید کر دیا ہے۔"

عَمرُو کو طیش آیا۔ خنجر نکال کر جادُو گرنی کی گردن گھونپ دیا۔ ریحانہ جادُو گرنی کے حلق سے ایک بھیانک چیخ نکلی اور اُس کا جسم کوئلے کی طرح جل کر سیاہ ہو یہی حال اُس کی کنیزوں کا ہُوا۔ پھر آندھی آئی، باغ تمام درخت اُکھڑ اُکھڑ کر گرنے لگے اور بارہ دری دھ سے زمین پر آ گری۔ عَمرُو وہاں سے بھاگا اور ایک غار کے دہانے پر آیا۔ کیا دیکھتا ہے کہ وہاں لندھو بے ہوش پڑا ہے۔ عَمرُو اُسے ہوش میں لایا اور پُوچھ لگا۔

"اے لِندھور تجھ پر کیا آفت آئی کہ اُن عورتوں کے کہنے میں آ کر یہاں آ گیا؟ لِندھور شرمندہ ہو کر چُپ رہا۔ پھر یہ سب لوگ امیر حمزہ کے لشکر میں آئے۔

اُدھر مرزبان اور فاریاب شاہ اصفہان پہنچ کر نوشیرواں دربار میں داخل ہُوئے۔ نوشیرواں اُنھیں دیکھ کر حیران ہو پھر اپنے تخت کے قریب بٹھایا اور حال احوال پُوچھنے لگا اس پر تہمت سے درباریوں نے ناک بھوں چڑھائی او

سرگوشیاں کرنے لگے کہ مرزبان کو نوشیروان نے ایسی جگہ بٹھایا ہے جو مندیل اصفہانی کی کرسی سے اونچی ہے۔ ایسا نہ ہو کہ مندیل کوئی فتنہ برپا کرے۔

تھوڑی دیر بعد مندیل اصفہانی دربار میں آیا اور اپنی کرسی پر بیٹھا لیکن دل میں بہت تاؤ کھایا کہ مرزبان مجھ سے بلند جگہ پر بیٹھا ہوا ہے۔ جہلیل نے اس کے کان میں کہا۔

"یہ آپ کی سخت توہین ہے کہ مرزبان آپ سے اونچی جگہ بیٹھے۔ اس سے کہیے کہ وہاں سے اُٹھے اور کسی دوسری جگہ جا کر بیٹھے۔"

مندیل اُسی وقت اُٹھ کر مرزبان کے قریب گیا اور کڑے تیور سے کہا۔ "اگر شہنشاہ نوشیرواں نے تمہیں چند لمحوں کے لیے اپنے پاس بٹھا کر عزت بخشی ہے تو اب تم یہیں ٹک گئے؟ اُٹھو اور کہیں اور جا کر بیٹھو۔ تم اس جگہ بیٹھنے کے لائق نہیں ہو۔"

مندیل کی یہ بات سُن کر مرزبان کا خون کھول گیا۔ تلوار میان سے کھینچ کر بولا۔ "مجھ کو یہاں بادشاہ نے بٹھایا ہے۔ تم کون ہوتے ہو مجھے اُٹھانے والے؟"

"میں اصفہان کا بادشاہ مندیل ہوں۔"

"میں بھی خُراسان کا بادشاہ ہُوں۔" مرزبان نے کہا۔ کوئی بھنگی چمار نہیں ہوں جو اپنے مہمانوں سے یُوں سلُوک کروں۔"

مندیل نے جھلّا کر نوشیرواں کی طرف دیکھا اور کہنے لگا۔ "دیکھیے حضُور، یہ بدبخت مُجھے بھنگی چمار کہتا ہے۔ حُکم ہو تو ابھی اِس کی زبان کاٹ ڈالوُں۔"

تب نوشیرواں نے مندیل کو سختی سے ڈانٹا اور کہا۔ "مہمانوں کے ساتھ ایسا سلوک کرنا تُم کو روا نہیں۔ جاؤ اپنی جگہ پر بیٹھو۔"

مندیل دِل میں غم و غُصّے کا طوفان لیے اپنی جگہ آ کر بیٹھ گیا۔ اور خُونی نظروں سے مرزبان کو گھُورتا رہا۔ جب دربار برخاست ہُوا تو وہ اپنے محل میں آیا۔ دِل میں سوچتا تھا کہ نوشیرواں شہنشاہ ہفت کِشور کہلاتا ہے لیکن احسان فراموش آدمی ہے۔ حمزہ نے حشام ڈاکو کو مار کر اِس کا تاج تخت واپس دلایا۔ اور اب اُسی کے خلاف ہوگیا ہے۔ اِس کے مُقابلے میں حمزہ کِتنا شریف، بہادُر اور نیک ہے۔"

یہ سوچ کر وہ اپنے بھائی کے پاس آیا اور کہنے لگا۔ "اے برادر، نوشیرواں سے مُجھ کو بڑا صدمہ پہنچا ہے۔ ہم نے اُس کو اپنے شہر میں اُتارا اور اپنے خاندان کی تباہی اور

بربادی کا کچھ خیال نہ کیا۔ نوشیرواں کی خاطر حمزہ سے لڑے اور اُس کی دُشمنی مول لی۔ اِس کا بدلہ یہ مِلا ہے کہ نوشیرواں نے بھرے دربار میں مجھے ذلیل کیا اور بے حقیقت سمجھا۔ اب میں حمزہ کے پاس جاتا ہوں کیونکہ میں بیک وقت مرزبان اور نوشیرواں سے نہیں لڑ سکتا۔"

مندیل کی یہ باتیں سُن کر اُس کا بھائی بھی ہاں میں ہاں مِلانے لگا۔ اور کہا کہ بے شک اب یہاں ٹھہرنا بے عزّتی کرانا ہے۔ اِس لیے اصفہان سے نِکل چلو۔ چنانچہ مہلیل، مندیل اور شہنشاہِ عراقی سب اپنی اپنی فوجوں کو لے کر اصفہان سے چل کھڑے ہوئے۔ اُدھر امیر حمزہ کو اُن کی آمد کی خبر مِلی۔ سمجھ گئے کہ ضرور مرزبان خُراسانی نے کوئی گُل کھلایا ہے۔ تبھی یہ لوگ نوشیرواں سے خفا ہو کر میرے پاس آئے ہیں۔ امیر حمزہ نے مندیل اور مہلیل کے اِستقبال کو اپنے سردار روانہ کیے۔ اُنھوں نے کچھ فاصلے پر جا کر نہایت دُھوم سے مندیل کا اِستقبال کیا اور ایسی عزّت سے پیش آئے کہ مندیل حیران رہ گیا۔ پھر یہ سب لوگ امیر حمزہ کی بارگاہ میں آئے۔ دیکھا کہ ایسی عالی شان بارگاہ ہے جو نوشیرواں کو خواب میں بھی میسّر نہ ہو گی۔ سونے کے تخت پر شہزادہ قبادِ شہریار نہایت شان و شوکت سے بیٹھا ہے۔ دائیں

بائیں نامی گرامی پہلوان اور سپہ سالار دبدبے سے بیٹھے ہیں۔ امیر حمزہ پیشوائی کو آگے آئے۔ مندیل اور مہیل نے جُھک کر سلام کیا اور اُن کے ہاتھ چُومے۔ امیر حمزہ نے باری باری سب کو گلے سے لگایا۔ پھر قباد شہریار کو نذر دِلوائی۔ قباد نے مندیل اور مہیل کو خلعتِ سُلیمانی عطا کیے۔ پھر حمزہ نے عَمرو سے کہا کہ اے خواجہ، ان مہمانوں کے واسطے باناتِ سلیمانی اور تاشِ تمامی کا عالی شان خیمہ لگوادو۔ جس میں زربفت اور مخمل کا فرش ہو۔ خدمت کے لیے خادِم مُہیا کیے جائیں اور اِنھیں کسی قسم کی تکلیف نہ پُہنچے۔ عَمرو نے فوراً حُکم کی تعمیل کی اور آن کی آن میں بانات کا خیمہ کھڑا کر دِیا۔

مندیل اور مہیل یہ شاہی اِنتظامات دیکھ دیکھ کر حیران ہوتے اور دانتوں میں اُنگلیاں دباتے تھے۔ لندھور اور عَمرو عیّار بھی اُن کے ساتھ خیمے میں آئے اور بیٹھ کر باتیں کرنے لگے۔ اگلے روز نوشیرواں کو پتا چلا کہ مندیل اور مہیل اپنی فوج سمیت حمزہ کے لشکر میں چلے گئے ہیں تو وہ بزرجمہر کی طرف دیکھ کر کہنے لگا۔

"یہ سب تیرا فساد ہے تُو اگر مندیل سے بد زبانی نہ کرتا تو وہ کبھی نہ جاتا۔ بہر حال اب میں اُسے سزا دِیے بغیر

نہ مانوں گا۔ میں نے سُنا ہے کہ مندیل اور مہلیل کے بہت سے عزیز، رشتے دار عراق میں رہتے ہیں۔ اب کوئی شخص عراق میں جائے اور مندیل کے رشتہ داروں کو تہِ تیغ کرے۔"

یہ سُن کر فاریاب شاہ اور مرزبان خُراسانی نے اُٹھ کر سلام کیا اور ہاتھ باندھ کر بولے "اگر حُکم ہو تو ہم عراق جائیں اور مندیل اور مہلیل کے رشتے داروں کو ہلاک کریں۔"

نوشیرواں نے اجازت دی۔ یہ دونوں کئی لاکھ سوار اپنے ساتھ لے کر عراق کی جانب روانہ ہُوئے۔ جاسُوسوں نے فوراً یہ خبر امیر حمزہ کو پُہنچائی۔ اُس وقت مندیل اور مہلیل بھی حمزہ کے پاس بیٹھے تھے۔ یہ سُن کر اُن کے ہوش اُڑ گئے۔ فوراً اُٹھ کھڑے ہُوئے اور امیر حمزہ سے کہنے لگے۔

ہمیں رُخصت کیجیے۔ ایسا نہ ہو کہ دُشمن کی فوج عراق میں قتلِ عام کرے۔"

امیر حمزہ نے کہا: "آپ لوگ یہیں آرام سے رہیے میں دُشمن کی سرکوبی کے لیے بہرام یا لندھور کو بھیجے دیتا ہُوں۔"

مگر مندیل نے یہ بات نہ مانی۔ تب امیر حمزہ نے مجبور ہو کر کہا تمھیں اختیار ہے۔ دونوں نے قباد شہر یار اور امیر حمزہ کو سلام کیا اور بارگاہ سے باہر آ کر اپنے

گھوڑوں پر سوار ہوئے۔ سات لاکھ فوج کو تیاری کا حکم دیا
اور تیزی سے عراق کی جانب روانہ ہوئے۔
نوشیرواں کو بھی ایک ایک لمحے کی خبریں مل رہی تھیں
جب اُس نے سُنا کہ مندیل اور مہلیل اپنے رشتے داروں
کو بچانے کی نیت سے عراق کی طرف چل پڑے ہیں تو
وہ بے حد غضبناک ہوا اور طولِ شبر زنگی کو حکم دیا
کہ تو بھی اپنے ایک لاکھ سوار لے کر فاریاب شاہ اور
مرزبان کی مدد کو جا۔ ادھر امیر حمزہ نے لندھور سے کہا
کہ بھائی، مقابلہ سخت ہے ایسا نہ ہو کہ مندیل و مہلیل
ہار جائیں اس لیے تم اپنے لشکر کو لے کر اُن کے پیچھے
جاؤ۔ لندھور نے اپنے دو لاکھ جوانوں کو تیار ہونے کا حکم
دیا اور مندیل کی کمک پر عراق کی طرف چلا۔ نوشیرواں کے
پاس بھی یہ خبر پہنچی کہ لندھور مندیل کی مدد کو نکلا ہے۔
اُس نے طیش میں آ کر اپنے دونوں بیٹوں ہرمز اور فرامرز
سے کہا کہ اب تم بھی اپنے اپنے لشکر ساتھ لو اور
مرزبان کی مدد کو پہنچو۔
امیر حمزہ کو جب ہرمز اور فرامرز کے جانے کی
خبر ملی تو وہ بھی عراق کی طرف چلے۔ نوشیرواں نے
سُنا کہ حمزہ بھی اپنے سپہ سالاروں کی مدد کو پہنچا ہے

تو وہ تخت سے اُٹھ کھڑا ہُوا۔ بختک یہ سمجھا کہ آرام کرنے کے لیے محل میں جاتا ہے مگر نوشیرواں نے سواری طلب کی اور آپ بھی اپنی فوج سمیت عراق کی جانب کُوچ کیا۔ ہرکاروں نے یہ خبر شہزادہ قباد شہریار کو پہنچائی تو قباد نے بھی ڈیرا خیمہ اُٹھایا اور بقیّہ فوج کو لے کر منزلوں پر منزلیں طے کرتا ہُوا عراق کی طرف بڑھنے لگا۔

خوف ناک جنگ

مرزبان خُراسانی اور فاریاب شاہ سب سے پہلے عراق میں پُہنچے۔ عراق کے لوگوں کو بھی یہ معلوم ہوگیا تھا کہ مندیل اصفہانی اور مہلیل امیر حمزہ سے جا ملے ہیں اور نوشیرواں نے غضب ناک ہو کر مرزبان کو بھیجا ہے تاکہ مندیل اور مہلیل کے رشتے داروں کو موت کے گھاٹ اُتارے۔ کسی کو اس بات کا یقین نہ آتا تھا۔ ناگہاں صحرا کی جانب سے گرد کا ایک ہیبت ناک بادل اُٹھا۔ لوگوں میں غُل مچ گیا کہ مرزبان فوج لے کر آتا ہے۔ اُنھوں نے فوراً قلعے کا دروازہ بند کر دیا اور فصیل پر تیر انداز بٹھا دیے۔ اتنے میں مرزبان اپنی فوج کو لے کر قلعے کے نزدیک آیا اور پکار کر کہا۔

"نوشیرواں کا حکم ہے کہ قلعے کا دروازہ فوراً کھول دو۔"

"ہم نہیں جانتے کہ نوشیرواں کون ہے۔ خبردار، اگر قدم

آگے بڑھایا تو تیروں سے چھلنی کر دیں گے۔" فصیل پر سے عراقی تیر اندازوں نے جواب دیا۔

یہ سن کر فاریاب شاہ نے مرزبان سے کہا "یہ لوگ یوں نہ مانیں گے۔ حملہ کر دو۔"

مرزبان نے اپنے لشکر کو عام حملے کا حکم دے دیا۔ مرزبان کے سپاہی ڈھالیں سروں پر رکھے قلعے کی طرف بڑھے اور سیڑھیاں لگا لگا کر فصیل پر چڑھنے کی کوشش کرنے لگے مگر عراقی تیر اندازوں نے تیروں کا مینہ برسا دیا۔ اور دیکھتے ہی دیکھتے مرزبان کے سینکڑوں سپاہی ہلاک اور زخمی ہوئے۔ لڑائی دن بھر جاری رہی لیکن آہستہ آہستہ عراقیوں کی تعداد میں بھی کمی ہونے لگی اور اُنھوں نے محسوس کیا کہ مرزبان کا مقابلہ کرنا مشکل ہے بہتر یہی ہے کہ ہتھیار ڈال دیے جائیں۔ عین اُسی لمحے پھر صحرا میں گرد کا بادل اُٹھتا نظر آیا اور جب عراقیوں نے یہ خبر سنی کہ مندیل اور جلیل لشکر جرّار کے ساتھ آن پہنچے ہیں تو اُن کے حوصلے بلند ہو گئے اور وہ جم کر لڑنے لگے۔

مندیل کا لشکر بھوکے شیروں کی طرح مرزبان کی فوج پر جھپٹا اور ایسی تلوار چلی کہ بیان سے باہر ہے۔ دم بھر میں کشتوں کے پشتے لگ گئے اور موت کا بازار ایسا گرم ہوا

کہ جدھر دیکھو خُون ہی خُون نظر آتا تھا یا کٹے ہُوئے
پیر اور دھڑ۔

مرزبان قلعے کے بڑے پھاٹک تک پُہنچ چُکا تھا وہ فوراً
پلٹا اور گھوڑا دوڑاتا ہُوا میدان میں آیا۔ اُس نے دُور سے
مندیل کو دیکھا اور خیال کیا کہ یہی اس فوج کا سپہ سالار
ہے۔ اگر اسے مار دُوں تو دُشمن کے چھکّے چھُوٹ جائیں گے
یہ سوچ کر سپاہیوں کو مارتا کاٹتا اور راستہ بناتا مندیل کی
طرف بڑھا۔ اُدھر مندیل نے بھی مرزبان کو پہچان لیا تھا۔ وہ
بھی مُقابلے پر ڈٹ گیا۔ مرزبان نے نعرہ مار کر تلوار کا ہاتھ
مارا۔ مندیل نے ڈھال آگے کر دی۔ مرزبان کی فولادی تلوار
ڈھال پر پڑی اور اُچٹ کر مندیل کی پیشانی پر آن لگی
دو اُنگل کے قریب گہرا زخم آیا اور مندیل کا چہرہ خُون
سے تر ہو گیا۔ یہ دیکھ کر مرزبان کو اور جوش آیا۔ ایک
نعرہ مارا اور دُوسرا وار کیا مگر مندیل نے یہ وار خالی
دے کر اِس زور سے حملہ کیا کہ اُس کی تلوار ڈھال
کاٹتی ہُوئی مرزبان کے شانے میں چھ اُنگل تک اُتر گئی
مرزبان کا دایاں ہاتھ بے کار ہُوا اور تلوار اُس کے ہاتھ
سے چھُوٹ گئی۔ اُس نے پہلو سے دُوسری تلوار نکالی اور
بائیں ہاتھ سے لڑنے لگا اور ایسی تلوار ماری کہ مندیل

کے گھوڑے کا سر اڑ گیا۔ مندیل گھوڑے کے ساتھ ہی زمین پر گرا۔ چاروں طرف لاشیں ہی لاشیں پڑی تھیں۔ مندیل میں اُٹھنے کی طاقت نہ تھی۔ اُس نے ایک لاش کی چھاتی پر ہاتھ ٹیک کر مرزبان کے گھوڑے کے تلوار ماری۔ گھوڑے کا پاؤں زخمی ہُوا اور وہ مرزبان کو لے کر بے تحاشا ایک طرف بھاگا۔ اِس اثنا میں مندیل کے سپاہی اُس کے قریب پُہنچ گئے۔ اور کہنے لگے۔

"آپ اپنے خیمے میں چل کر آرام کیجیے۔ زخم گہرے ہیں خون زیادہ نِکل گیا ہے۔"

مندیل نے کسی کی بات نہ مانی اور یہی کہا کہ جب تک جسم میں خُون کا آخری قطرہ موجُود ہے میں میدانِ جنگ سے واپس نہ جاؤں گا۔

یکایک میدانِ جنگ دِل دہلا دینے والے نعروں سے گُونج اُٹھا۔ مندیل نے اپنے سپاہیوں سے پُوچھا کہ یہ شور کیسا ہے؟ اُنھوں نے بتایا کہ مرزبان کی فوج پسپا ہو رہی تھی کہ طُول شجر زنگی اپنے لشکر کو لے کر آ گیا اور اُس کی تازہ دم فوج نے عراقیوں اور ہمارے لشکر کو تلواروں کی باڑھ میں رکھ لیا ہے۔ اب خُدا ہی ہے جو بچائے۔ یہ سُنتے ہی مندیل کو جوش آیا کہنے لگا۔ میرے لیے گھوڑا

لاؤ۔ سپاہی گھوڑا لائے اور اُسے سوار کرایا۔ منڈیل اُسی حالت میں تلوار تھام کر دُشمنوں کے اندر جا گھسا اور ایسی بے خوفی سے لڑا کہ سب نے واہ وا کی۔

اِتنے میں پھر نعروں اور ڈھول تاشے بجنے کی آوازیں سُنائی دیں۔ معلُوم ہُوا کہ بہرام خاقانِ چین اپنی فوج لے کر منڈیل کی مدد کو آن پہنچا۔ منڈیل اِس خبر سے خُوش ہُوا اور اُس کے سپاہیوں کے حوصلے بھی بڑھ گئے۔

بہرام کا میدانِ جنگ میں آنا قیامت کے آنے سے کم نہ تھا۔ اُس نے بہادری کے وہ جوہر دکھائے کہ طُول شیجر زنگی اور مرزبان خُراسانی جان بچانے کی فکر کرنے لگے۔ اچانک بہرام گھوڑا دوڑاتا ہُوا آیا اور طُول شیجر زنگی کو گھیر کر للکارا۔

"او بُزدِل، کہاں جاتا ہے؟ اِدھر آ۔"

طُول شیجر زنگی نے جب جان بچنے کی کوئی صُورت نہ دیکھی تو مجبُوراً لڑنے کے لیے آمادہ ہُوا اور بہرام کی طرف نیزہ پھینک کر مارا۔ اُس نے تلوار کے ایک وار سے نیزہ کاٹ کر دو ٹکڑے کر دیا۔ یہ دیکھ کر طُول شیجر زنگی پر ہیبت طاری ہُوئی اور بھاگنے کا اِرادہ کیا مگر اُسی لمحے بہرام کی تلوار بجلی کی طرح اُس کے سر پر چمکی۔ زنگی دھڑام

سے نیچے گرا اور چند لمحے تڑپنے کے بعد مر گیا۔

بہرام کی دہشت سے طول زنگی اور مرزبان خُراسانی کی فوج میں بھگدڑ مچ گئی۔ اِتنے میں نوشیرواں کے بیٹوں شہزادہ ہُرمز اور شہزادہ فرامُرز کی فوجیں آن پہنچیں اور بھاگتے ہُوئے سپاہیوں کے قدم پھر جم گئے۔ بہرام نے تلوار بازی کے ایسے کمالات دِکھائے کہ دوست دُشمن سب نے بے اِختیار داد دی۔ میدانِ جنگ کا یہ حال تھا کہ لاشوں کے انبار لگے تھے اور خُون پانی کی طرح بہتا تھا۔

ہُرمز اور فرامُرز کی فوجوں نے جنگ کا نقشہ ہی بدل دیا اور اب عراقیوں کا پلڑا پھر کمزور پڑنے لگا۔ یکایک لندھور اپنے ہندی لشکر کے ساتھ نمودار ہُوا۔ وہ اٹھارہ من کا فولادی گُرز فضا میں اُچھالتا ہُوا آ رہا تھا۔ اس دیوقامت آدمی کو دیکھ کر خُراسانی سپاہیوں کے دل بیٹھنے لگے۔ خُود ہُرمز اور فرامُرز پر بھی دہشت طاری ہُوئی۔ دِل میں پچھتائے کہ ناحق یہاں آئے۔ اس دیو کے ہاتھوں بچنا مُشکل ہے

لندھور نے آتے ہی گُرز گھمانا شُروع کیا اور دُشمنوں کے پرخچے اڑنے لگے۔ ہر طرف غُل مچ گیا کہ بھاگو۔ موت لندھور کی صُورت میں آئی ہے۔ ابھی لندھور سے پناہ کی کوئی شکل نہ نِکلی تھی کہ امیر حمزہ کا نشانِ اژدہا پیکر آتا

دِکھائی دیا۔ عراقیوں نے خُوشی سے نعرے لگائے۔ حمزہ نے آتے ہی گاجر مُولی کی طرح دُشمن کے سپاہیوں کو کاٹنا شُروع کیا۔ جو سامنے آیا، زندہ بچ کر نہ گیا۔ بختک یہ سماں دیکھ کر گھبرایا اور شہزادوں سے کہنے لگا۔

"اگر حمزہ اور اُس کے ساتھی یُوہنی تلوار بازی کرتے رہے تو ہمارا ایک سپاہی بھی زندہ نہ بچے گا۔ بہتر یہی ہے کہ واپسی کا طبل بجا دو۔"

شہزادے پہلے ہی بہانہ تلاش کر رہے تھے۔ اُنھوں نے بختک کی تجویز کو پسند کیا اور واپسی کا طبل بجوا دیا۔ یکایک نوشیرواں اپنی مختصر سی فوج کے ساتھ نمُودار ہوا اور اُس نے جب سُنا کہ بختک کے کہنے سے شہزادوں نے فوج کی واپسی کا طبل بجوا دیا ہے تو بے حد غضب ناک ہُوا اور کہنے لگا۔

"طبل بجانا موقُوف کیا جائے۔ آج فیصلہ کُن جنگ ہو گی۔ تخت یا تختہ۔"

یہ کہہ کر خود میدانِ جنگ میں آیا اور اِس شان سے لڑا کہ سب حیران رہ گئے۔ نوشیرواں کو یُوں لڑتا دیکھ کر مرزبان خُراسانی، طُول شہر زنگی اور ہُرمُز فرامُرز کی فوجوں میں بھی جوش پیدا ہُوا اور لڑائی زور شور سے ہونے لگی

اچانک امیر حمزہ کی فوجیں پیچھے ہٹنے لگیں۔ یہ دیکھ کر حمزہ گھبرا گئے مگر اُسی وقت طبلِ سکندری بجنے کی آواز کانوں میں آئی اور قباد شہریار اپنا لشکر لیے آن پہنچا۔ بختک، جو تھوڑی دیر پہلے خوشی سے ناچ رہا تھا، بے اختیار چلا اُٹھا کہ اب پانسا پلٹ جائے گا۔ بہتر یہی ہے کہ واپسی کا طبل بجوایا جائے۔ نوشیرواں بھی قباد کی آمد سے پریشان ہُوا اور بختک کے کہنے سے واپسی کا اعلان کیا۔ دونوں لشکر اپنے اپنے خیموں میں آئے اور زخمیوں کی مرہم پٹی ہونے لگی۔

نوشیراں اپنی بارگاہ میں آ کر بیٹھا ہی تھا کہ قیصر رُومی اور عَلَم شاہ نو لاکھ فوجی سپاہی لے کر میدان میں آئے۔ اُس وقت نوشیرواں افسوس سے ہاتھ مل کر کہنے لگا۔

"اگر آپ لوگ تھوڑی دیر پہلے آ جاتے تو میں واپسی کا طبل نہ بجواتا۔ لیکن اب کیا ہو سکتا ہے۔" قیصر رُومی اور عَلَم شاہ نے نوشیرواں کو دلاسا دیا کہ اب بھی کچھ نہیں گیا۔ ہم کل امیر حمزہ سے جنگ کریں گے۔

شہزادہ قباد شہریار اور امیر حمزہ اپنے خیمے میں بیٹھے تھے کہ ایک لڑکا امیر حمزہ کے سامنے آیا اور سلام کیا اُس کا نام سُلطان سعد تھا اور وہ حمزہ کے بیٹے عامر

کا لڑکا تھا۔ اُس کی عُمر دس برس کی تھی مگر ابھی سے اُس کی جی داری اور بہادری کے جھنڈے گڑے ہُوئے تھے۔

امیر حمزہ نے سعد کو اپنے پاس بُلا کر پیار کیا۔ پھر پُوچھا "بیٹا، خیر تو ہے۔ تُم اِس وقت کیسے آئے ہو؟"

"دادا جان، مَیں نے سُنا ہے کہ میرے والد کی تلوار اور اُن کا گھوڑا عَلَم شاہ کے قبضے میں ہے۔ آپ یہ دونوں چیزیں مجھے دِلوا دیجیے۔"

امیر حمزہ سعد کی یہ بات سُن کر ہنسے اور کہا "بس اتنی سی بات کے لیے پریشان ہو؟ فکر نہ کرو۔ دونوں چیزیں تُمھیں مِل جائیں گی۔"

سُلطان سعد خُوش خُوش اپنے خیمے میں آیا اور اپنی ماں حُور رُخ سے کہا۔

"امّی جان، دادا کہتے ہیں کہ عَلَم شاہ سے گھوڑا اور تلوار چھین کر تُمھیں دُوں گا۔ یہ دونوں چیزیں میرے ابا کی ہیں۔"

شہزادی حُور رُخ نے اپنے بیٹے کو سینے سے لگا لیا۔ پھر آنکھوں میں آنسُو بھر کر بولی "بیٹا، تُم ایک بہادر باپ کے بیٹے اور نامور دادا کے پوتے ہو۔ تُمھارے

واسطے یہ زیبا نہیں کہ دُوسروں کے سہارے کوئی کام
اگر تمھیں اپنے باپ کی تلوار اور گھوڑے کی ضرورت
تو خُود عَلَم شاہ سے مُقابلہ کر کے یہ چیزیں حاصل
تاکہ دُنیا تمھیں عزّت کی نگاہ سے دیکھے۔"

ماں کی یہ بات سُلطان سعد کے دل میں اُتر گئی۔ اُس نے کہا۔"امّی جان، آپ صحیح فرماتی ہیں۔ مجھے اپنے زورِ بازُو سے کام لینا چاہیے۔"

اُسی روز جبکہ آدھی رات گُزر گئی تھی، سُلطان سعد اپنے بستر سے اُٹھا اور تمام ضرُوری ہتھیار بدن پر سجائے پوشاک کے اُوپر زرہ پہنی، پھر خنجر کی جوڑی کمر سے لگائی، تلوار گلے میں حمائل کی، دستانے پہنے، نیزہ ہاتھ میں لیا اور چُپکے چُپکے خیمے سے باہر نکلا۔ اپنی سواری کے گھوڑے کو بھی خُود کسا اور اس کے بعد نوشیرواں کے لشکر کی جانب روانہ ہُوا۔

پَو پھٹنے کے بعد سعد وہاں پُہنچ گیا۔ ہر طرف ہزاروں خیمے لگے تھے جن میں سپاہی اور افسر پڑے سوتے تھے اور سوائے پہرے داروں کے کوئی جاگتا نہ تھا۔ پہرے دار سمجھے کہ یہ لڑکا کسی سپہ سالار یا پہلوان کا بیٹا ہے۔ سعد دیر تک اِدھر اُدھر پھرتا اور عَلَم شاہ کا خیمہ ڈھونڈتا رہا مگر کچھ

پتا نہ چلا۔ آخر تھک ہار کر ایک درخت کے نیچے جا کھڑا ہوا اتنے میں ایک نوجوان مشکی گھوڑے پر سوار نہایت شان و شوکت سے آیا اور سعد کو وہاں کھڑے دیکھا تو رُک گیا۔ پہلے اُسے اوپر سے نیچے تک غور سے دیکھا۔ پھر کہنے لگا۔

"کیوں میاں صاحب زادے، اِس وقت یہاں کیسے کھڑے ہو؟"

"میں علم شاہ کا خیمہ ڈھونڈتا ہوں۔ اگر آپ کو معلوم ہو تو بتائیے۔" سعد نے جواب دیا۔

یہ سُن کر نوجوان چونک گیا۔ پھر مسکرا کر بولا۔ آخر معلوم تو ہو کہ علم شاہ سے تمھیں اتنی سویرے سویرے کیا کام ہے؟"

"دیکھیے صاحب، میرا نام سلطان سعد ہے اور میرے باپ کا نام عامر بن امیر حمزہ ہے۔ میں نے سُنا ہے کہ میرے باپ کی تلوار اور گھوڑا علم شاہ کے پاس ہے میں یہ دونوں چیزیں اُس سے لینے آیا ہوں۔"

گھڑ سوار نوجوان سعد کی یہ بات سُن کر زور سے ہنسا۔ پھر دل میں کہا، اے علم شاہ، امیر حمزہ کا پوتا اس عمر میں بھی کیسا جری ہے کہ اپنے باپ کی تلوار اور گھوڑا لینے دشمنوں کے اس عظیم لشکر میں اکیلا چلا آیا۔

سعد نے پریشان ہو کر نوجوان سے کہا، "آپ ہنسے کس بات پر؟"

"میں یوں ہنسا کہ تم نے ابھی علم شاہ کا نام ہی سُنا ہے اُسے دیکھا نہیں ہے ورنہ ایسی بات کبھی نہ کہتے۔ علَم شاہ کو رُستم کا خطاب مِلا ہے۔ اُس نے بچپن ہی میں ایک مست ہاتھی کی سُونڈ کھینچ لی تھی اور اُسے مار بھگایا تھا۔ تمہارے باپ عامر نے اپنی خوشی سے علَم شاہ کو گھوڑا اور تلوار دی تھی اب تمہیں کیا حق ہے کہ یہ چیزیں واپس مانگو؟"

یہ سُن کر سعد کو طیش آیا، لیکن ضبط کر کے کہا، "جناب! آپ کو اِس سے کیا بحث کہ اِن چیزوں پر میرا حق ہے یا نہیں۔ میں نے تو آپ سے صرف اِتنا پوچھا تھا کہ علَم شاہ کا خیمہ کِدھر ہے اور آپ نے حق ناحق شروع کر دیا۔ بتانا ہے تو بتائیے ورنہ میں کسی اور سے پُوچھ لُوں گا۔"

تب علم شاہ نے مُسکرا کر کہا۔ میں ہی علَم شاہ ہوں۔ لو، اب کیا کہتے ہو؟"

سُلطان سعد ایک لمحے کے لیے بھونچکا رہ گیا۔ پھر سنبھل کر بولا۔ "اگر تم ہی علَم شاہ ہو تو میرے باپ کا گھوڑا

اور تلوار میرے حوالے کر دو۔"

"اور اگر میں نہ دُوں تب؟"

"تب میں تُم سے لڑوں گا اور اُس وقت تک لڑوں گا جب تک خُود نہ مارا جاؤں یا تمھیں نہ مار دُوں۔"

"بُہت بہتر۔ اگر تمھیں جنگ کا دعویٰ ہے تو حملہ کرو۔" علَم شاہ نے کہا۔

"حملے میں پہل کرنا ہمارا اصُول نہیں ہے۔" سعد نے کہا۔ "پہل تُم کرو۔"

"اچھا، تو پھر سنبھل۔" علَم شاہ نے اپنا نیزہ ہاتھ میں لیا اور حملے کی نیّت سے نہیں بلکہ سعد کو ڈرانے کے ارادے سے اُس کی طرف بڑھایا۔ سعد نے جھٹ اپنی تلوار میان سے کھینچی، علَم شاہ کا وار خالی دے کر اِس پھُرتی سے تلوار کا ہاتھ مارا کہ نیزہ کٹ کر دُور جا گرا اور علَم شاہ کے ہاتھ پر کاری زخم آیا۔ تب اُس نے چلّا کر کہا۔

"اے لڑکے، تُو نے تو غضب کیا۔ آج میرا ہاتھ ہی کٹ گیا ہوتا۔"

اِس کے بعد اُس نے بھی احتیاط سے حملے کرنے اور روکنے شروع کیے۔ دونوں میں دیر تک شمشیر زنی ہوئی۔ پھر

سعد نے تلوار مار کر علَم شاہ کے گھوڑے کو زخمی کیا۔ گھوڑا غضب ناک ہو کر الف ہو گیا اور اُس نے اپنے سوار کو نیچے پھینک دیا۔ سعد بھی اپنے گھوڑے سے کُودا اور علَم کی کمر میں ہاتھ ڈال دیا۔ دونوں میں کُشتی ہونے لگی لیکن سعد بچّہ تھا اور علَم شاہ ایک پہلوان۔ تھوڑی ہی دیر میں سعد کا دم پھُول گیا لیکن وہ برابر لاتیں اور گھُونسے مارتا رہا۔ آخر علَم شاہ نے سعد کے دونوں ہاتھ پکڑ لیے، زمین سے اُٹھا کر کندھے پر بٹھا لیا اور اسی طرح اُٹھائے اُٹھائے قیصر کے پاس آ کر، تمام حال بیان کیا۔ قیصر بہت طیش میں آیا۔ حُکم دیا کہ اس لڑکے کے ہاتھوں اور پیروں میں لوہے کی زنجیریں ڈالی جائیں اور نوشیرواں کے پاس بھیج دیا جائے۔

سعد نے نوشیرواں کے دربار میں پہنچ کر ایک گھُومتی ہُوئی نظر چاروں طرف ڈالی۔ پھر عقل سے خواجہ بزرجمہر کو پہچان کر کہا "میرا سلام پہنچے خواجہ بزُرجمہر کو۔"

"اے فرزند، میرا بھی سلام ہے۔" خواجہ بزرجمہر نے محبّت سے جواب دیا۔

یہ دیکھ کر بختک نامُراد آگ بگولا ہو گیا اور سعد سے کہنے لگا "اے بد بخت لڑکے، تُو نے بزُرجمہر کو سلام کیا

اور شہنشاہ نوشیرواں کو سلام نہ کیا۔

"میں نے اِسے تین باتوں کی بنا پر سلام نہ کیا۔" سعد نے کہا۔ پہلی بات تو یہ کہ نوشیرواں آتش پرست ہے اور دُوسری بات یہ کہ بُزدلوں کی طرح بھاگا پھرتا ہے۔ آج یہاں کل وہاں۔ اور تیسری بات یہ ہے کہ یہ اِحسان فراموش ہے۔"

سعد کی اِس بات پر دربار میں سنّاٹا چھا گیا۔ سب دم بخود رہ گئے۔ نوشیرواں کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ اُس کی ڈاڑھی کا ایک ایک بال کھڑا ہو گیا۔ آنکھیں کبُوتر کے خُون کی طرح سُرخ ہو گئیں۔ وہ چیخ کر بولا۔

"لے جاؤ اس خبیث لڑکے کو اور فوراً قتل کر دو۔"

بختک نے خوشی سے بغلیں بجائیں لیکن خواجہ بُزرجمہر نے جُھک کر نوشیرواں کے کان میں کہا۔ "حضُور، اپنے فیصلے پر غور فرما لیجیے۔ اِس لڑکے کے قتل سے قیامت برپا ہو جائے گی۔ حمزہ ہم میں سے کسی کو جیتا نہ چھوڑے گا آگے آپ کو اِختیار ہے۔"

بُزرجمہر کی یہ بات سُن کر نوشیرواں سوچ میں پڑ گیا پھر بختک کی جانب دیکھا۔ اُس نے گردن ہلا کر کہا "حضُور میری رائے بھی ہے کہ لڑکے کو زِندہ نہ چھوڑا جائے۔ ہاں، یہ ہو سکتا ہے کہ اِسے حمزہ کے سامنے ہی قتل

کریں تاکہ اُس پر ہماری دہشت بیٹھ جائے۔"

علم شاہ خاموش بیٹھا سب کچھ سُن رہا تھا۔ اب اُس سے صبر نہ ہو سکا۔ اپنی جگہ سے اُٹھ کر کہنے لگا۔ "کیا اِس لڑکے کو قتل کرنا ضروری ہے؟ آخر اِس نے کون سا جُرم کیا ہے؟ خبردار، اگر کسی نے اِس کی طرف ٹیڑھی آنکھ سے دیکھا تو مجھ سے بُرا کوئی نہ ہوگا۔"

علم شاہ کی یہ بات سُن کر سب کو حیرت ہُوئی۔ قیصرِ رُومی نے اُسے سمجھاتے ہُوئے کہا۔ "بیٹا ایسی بات مُنہ سے نہیں نکالتے۔ نوشیرواں ہمارے شہنشاہ ہیں اور اُن کا حکم بجا لانا ہم سب کا فرض ہے۔"

"وہ تو ٹھیک ہے لیکن جب تک میں زندہ ہوں، اس لڑکے کا کوئی بال بھی بیکا نہیں کر سکتا۔" علم شاہ نے غُصّے سے کہا اور اُٹھ کر چلا گیا۔ نوشیرواں اپنی اس توہین پر طیش کے مارے کانپنے لگا اور قیصرِ رُومی سے کہا۔

"ابھی اِس لڑکے کو باہر کھُلے میدان میں لے جا کر قتل کرو۔ ذرا ہم بھی دیکھیں کون اِسے بچاتا ہے۔"

حکم کی دیر تھی ایک حبشی جلّاد سعد کو کھینچتا ہُوا باہر لے گیا اور تلوار نکال کر اُس کی دھار دیکھنے لگا۔

پھر سعد سے کہا: "اے لڑکے، اب تیری موت قریب ہے۔ کوئی خواہش ہو تو بتا تاکہ پوری کی جائے۔ کچھ پینا ہو تو کھا پی لے۔"

سعد نے کہا: "اے جلاد تو اپنا کام کر۔ وقت ضائع کیوں کرتا ہے؟ مجھے بالکل بھوک پیاس نہیں۔"

"اچھا تو پھر آنکھوں پر پٹی بندھوا لے۔" جلاد نے کہا۔

"اس کی بھی ضرورت نہیں۔ تو تلوار اٹھا۔" سعد نے کہا۔

جلاد کو لڑکے کی بہادری اور بے خوفی پر بڑا تعجب ہوا۔ دل میں کہا صد افسوس کہ ایسا جی دار لڑکا میرے ہاتھ سے مارا جائے۔ کسی طرح اس کی جان بچانی چاہیے۔ یہ سوچ کر سعد کے کان میں کہنے لگا۔

"گھبرائیو نہیں۔ میں تجھے بچاؤں گا۔ آ، میرے کندھے پر بیٹھ جا۔"

سعد اُچک کر جلاد کے کندھے پر جا بیٹھا اور وہ اُسے لے بھاگا۔ قیصرِ رُومی کے سپاہیوں نے غل مچایا کہ جلاد لڑکے کو لے کر بھاگ گیا۔ چند سپاہیوں نے اُس کا تعاقب بھی کیا مگر جلاد نے سب کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے ڈال دیا۔ پھر ایک گھوڑے پر بیٹھ کر تیز رفتاری سے روانہ ہوا۔ راستے میں سعد

نے اُسے بتایا کہ امیر حمزہ میرے دادا ہیں۔ تب جلّاد اُسے لے کر سیدھا امیر حمزہ کے لشکر میں آیا۔ وہاں سُلطان سعد کی گُم شدگی پر بڑا ہنگامہ برپا تھا اور شہزادی حُور رُخ نے رو رو کر اپنی آنکھیں سُجا لی تھیں۔ اِتنے میں حبشی جلّاد نے جسے زرد پوش کہتے تھے سعد کو وہاں پُہنچایا۔ امیر حمزہ اپنے پوتے کو صحیح سلامت دیکھ کر بے حد خُوش ہُوئے۔ زرد پوش کو خلعت عطا کی اور سعد کو اُس کی ماں حُور رُخ کے پاس پُہنچایا۔

اُدھر قیصر رُومی نے علَم شاہ کو خبر دی کہ غضب ہو گیا۔ زرد پوش جلّاد سُلطان سعد کو لے کر بھاگ گیا ہے۔ علَم شاہ یہ سُن کر گھبرایا۔ اُسی وقت گھوڑے پر سوار ہو کر زرد پوش کی تلاش میں نِکلا۔ راستے میں چند زخمی سپاہی مِلے۔ اُنھوں نے بتایا کہ زرد پوش سعد کو لے کر امیر حمزہ کے لشکر میں گیا ہے۔ تب علَم شاہ بھی گھوڑا دوڑاتا ہُوا امیر کے لشکر میں آیا، امیر حمزہ کو سلام کیا اور کہنے لگا۔

"میں زرد پوش جلّاد کی تلاش میں آیا ہُوں۔ وہ میرا ایک قیدی لے کر بھاگ آیا ہے۔ سُنا ہے وہ آپ کے لشکر میں چُھپا ہُوا ہے۔"

علَم شاہ کو دیکھ کر امیر حمزہ کے دِل میں باپ کی محبّت جاگ اُٹھی۔ خُون نے جوش کیا اور نرمی سے کہا۔ "گھوڑے سے نیچے اُترو۔ پھر کُچھ بات کرو۔"

علَم شاہ گھوڑے سے اُترا۔ امیر حمزہ محبّت سے اُس کا ہاتھ پکڑ کر خیمے میں لے گئے اور نشست پر بٹھا کر کہنے لگے۔ "زرد پوش میرے پوتے سُلطان سعد کو لے کر آیا تھا اِس کے بعد کہاں گیا، مُجھ کو کُچھ معلُوم نہیں۔"

"اچھا خیر، اب سعد کو بُلوائیے۔ میں اسے اپنے ساتھ لے جاؤں گا۔"

"بہت بہتر، ابھی بُلواتا ہُوں۔" یہ کہہ کر امیر حمزہ نے سعد کو بُلوایا اور علَم شاہ سے کہا۔ "اے رُستم، یہ سعد موجُود ہے۔ جی چاہے تو اسے قید کر کے لے جا۔"

علَم شاہ نے جب امیر کا یہ رویّہ دیکھا تو شرمندہ ہُوا اور کہنے لگا۔ "معاف کیجیے گا۔ میں اپنی اِس حرکت پر شرمندہ ہُوں۔ سعد کو یُوں قید کر کے لے جانا میری شان کے خلاف ہے۔ اب میں اجازت چاہتا ہُوں۔"

"ارے صاحب، اتنی جلدی کیا ہے۔ چلے جائیے گا۔ دو گھڑی ہمارے پاس بھی بیٹھیے۔" امیر حمزہ نے کہا۔ پھر اُسے ساتھ لے کر قباد شہریار کے پاس پہنچے۔ قباد نے بڑی محبّت

سے علم شاہ کو گلے لگایا اور تخت پر اپنے قریب ہی بٹھا لیا۔ علم شاہ یہ شاہانہ شان و شوکت دیکھ دیکھ کر حیران ہوتا اور دل ہی دل میں اس کا مقابلہ قیصر رومی اور نوشیرواں کے دربار سے کرتا مگر ہر بار یہی ماننا پڑتا کہ وہاں کے مقابلے میں یہاں کی شان کا کیا کہنا۔

امیر حمزہ نے علم شاہ کی ایسی خاطر تواضع کی کہ وہ گردن جھکا کر کہنے لگا۔

آپ نے مجھ پر وہ شفقت کی ہے جیسے کوئی بزرگ اپنے عزیز فرزند پر کرتا ہے اور یہ اعلیٰ ظرفی تو میں نے کسی میں نہ دیکھی کہ اپنے ہی پوتے کو قید کرکے میرے حوالے کرنے پر تیار ہو گئے۔

امیر حمزہ نے اس کا شکریہ ادا کیا اور کہا آئیے، اب آپ دو گھڑی ہمارے ساتھ بیٹھیے۔ علم شاہ خوشی سے آمادہ ہو گیا۔ امیر حمزہ اسے لے کر ایک بڑے سے خیمے میں پہنچے۔ اس محفل میں امیر حمزہ کے دائیں بائیں تمام نامور پہلوان بیٹھے تھے۔ لندھور، بہرام، استفتانوش، صدف نوش، سلطان بخت مغربی، عادی کرب اور مقبل وفادار۔ علم شاہ نے باری باری سب کو غور سے دیکھا۔ آخر لندھور پر نظریں جم گئیں۔ دل میں کہنے لگا کہ آدمی کیا ہے، آدم خور شیر ہے

اُدھر لنڈھور بھی تاڑ گیا کہ علم شاہ نظروں ہی نظروں میں مجھے بھانپ رہا ہے۔ آخر علم شاہ نے امیر حمزہ سے پوچھ ہی لیا۔

"جناب، وہ صاحب جو آپ کے دائیں جانب بیٹھے ہیں، اُن کا نام کیا ہے؟"

امیر حمزہ نے لنڈھور کی طرف دیکھ کر جواب دیا۔ "یہ میرے نائب لنڈھور ہیں۔ سراندیپ کے ہزار جزیرے کے بادشاہ ہیں۔ قوت، ہمت، جرأت اور بہادری میں بے نظیر ہیں۔"

"بہت خوب، بہت خوب۔ میرا جی چاہتا ہے کہ لنڈھور سے پنجہ لڑاؤں۔" علم شاہ نے کہا۔

یہ سُن کر امیر حمزہ دنگ رہ گئے۔ پھر سمجھانے لگے کہ اس خیال کو جانے دو۔ خواہ مخواہ بد مزگی ہو گی۔ اگر لنڈھور ہار گیا، تب بھی مجھے رنج ہو گا۔ تُم ہار گئے تب بھی میں خوش نہ ہوں گا۔ اُنھوں نے ہر چند علم شاہ کو سمجھایا مگر وہ کسی طرح نہ مانا۔ آخر امیر نے لنڈھور سے علم شاہ کی اس خواہش کا ذکر کیا۔ لنڈھور منہ کھول کر ہنسا اور اپنا ہاتھ آگے بڑھا کر علم شاہ سے کہا۔

"لیجیے، یہ پنجہ حاضر ہے۔"

علم شاہ نے بھی اپنا ہاتھ آگے بڑھایا اور دونوں

میں زور ہونے لگا۔ امیر حمزہ کے چہرے پر ایک رنگ آتا اور ایک جاتا تھا۔ دل ہی دل میں دعائیں مانگتے تھے کہ یا الٰہی، عزّت رکھیو۔ اُنھوں نے دیکھا کہ لندھور جب زور کرتا ہے تو علَم شاہ اِس طرح اُس کی طرف کھنچے آتے ہیں جس طرح مقناطیس لوہے کو کھینچ لیتا ہے اور جب علَم شاہ زور کرتا ہے تو یہی حال لندھور کا ہوتا ہے۔ دیر تک دونوں پنجہ آزمائی کرتے رہے۔ لندھور کی پیشانی پسینے میں تر ہو گئی اور علَم شاہ کا چہرہ تپے ہوئے تانبے کی مانند سُرخ ہو گیا۔ دونوں بُری طرح ہانپنے لگے۔ تب امیر حمزہ نے بیچ میں آ کر اپنے سر کی قسم دی اور کہا بس زور ہو چُکا۔ یہ کہہ کر دونوں کو الگ کیا۔ پھر گلے مِلوایا۔ عَمرو بھی ایک طرف بیٹھا یہ تماشا دیکھ دیکھ کر مُسکراتا تھا۔ امیر حمزہ نے اُس سے کہا۔

"اے خواجہ تُمھاری بتّیسی کیوں بار بار کھُل رہی ہے؟ ذرا اِدھر آؤ اور کچھ گا کر مہمان کا دِل خُوش کرو۔"

عَمرو نے کڑوے لہجے میں جواب دیا "کیا آپ نے مجھے کوئی مراثی یا گوَیا مُقرّر کیا ہے۔ جب دیکھو گانا، جب دیکھو گانا۔"

"ناراض کیوں ہوئے ہو۔ ہم تو ہر ایک سے تُمھاری تعریف

کرتے پھرتے ہیں اور تم کریلے کی طرح نیم پر چڑھے جاتے ہو، لو اب نخرے چھوڑو اور کچھ گاؤ۔"

دُوسروں نے بھی عمرو کی خوشامد کی تب وہ آگے آیا۔ زنبیل سے داؤد علیہ السّلام کا دِیا ہُوا ساز نکالا اور اُسے بجا کر ایک گیت سُنانے لگا۔ سب جُھومنے لگے۔ علم شاہ کا تو یہ حال ہو گیا کہ زمین پر سر مارنے لگا۔ تب عمرو نے اپنا گانا ختم کیا۔ علم شاہ نے بے حد تعریف کی اور کہا میں نے ایسا گانا کبھی نہ سُنا تھا۔

اِدھر تو یہ رنگ تھا اور اُدھر قیصر رومی نے بے چین ہو کر اپنا ایک جاسُوس علم شاہ کی تلاش میں روانہ کیا۔ وہ سیدھا امیر کے لشکر میں آیا۔ دیکھا کہ علم شاہ مسند سے لگا بیٹھا ہے اور عمرو عیّار گانا گا رہا ہے۔ جاسُوس اُلٹے قدموں گیا اور قیصر رومی کو یہ وحشت ناک خبر سُنائی۔

بختک نامُراد اِس خبر سے خوش ہو کر ناچنے لگا اور قیصر سے کہا۔ "لیجیے، آپ کا بیٹا بھی ہاتھ سے گیا اور واپس بھی آیا تو آپ کے کسی کام کا نہ رہے گا۔ اُس پر حمزہ نے اپنا جادُو کر دیا ہے۔"

قیصر رُومی سخت پریشان ہُوا۔ اسی وقت سیّارہ رومی کو

طلب کر کے حکم دیا کہ اسّی ہزار سوار اپنے ساتھ لے کر جاؤ اور جس طرح بن پڑے علم شاہ کو اپنے ساتھ لے کر آؤ۔ کوشش یہی کرنا کہ لڑائی جھگڑے کی نوبت نہ آئے، سیّارۂ رومی آداب بجا لاکر روانہ ہوا اور امیر حمزہ کے لشکر میں آیا تو وہی دیکھا جو قیصر رومی کے جاسوس نے بیان کیا تھا۔ اُس نے پہرے داروں سے کہا جاکر علم شاہ کو خبر کرو کہ سیّارۂ رومی آیا ہے۔ پہرے داروں نے پہلے امیر حمزہ کو بتایا کہ اِس اِس طرح ایک شخص آیا ہے اور علم شاہ سے مِلنا چاہتا ہے۔ اُنھوں نے کہا یہاں کسی کے مِلنے جُلنے پر کوئی پابندی نہیں ہے۔ اُس شخص کو بُلاؤ۔ تب سیّارۂ رومی بارگاہ کے اندر آیا۔ امیر حمزہ قباد شہریار اور علم شاہ کو سلام کیا۔ پھر علم شاہ کے کان میں کچھ کہا جسے سُنتے ہی وہ گھبرا کر اُٹھ کھڑے ہوئے اور امیر حمزہ سے کہنے لگے۔

"مجھے اب اجازت دیجیے۔ پھر کبھی حاضر ہوں گا۔ میرے والد قیصر رومی نے مجھے فوراً بُلایا ہے۔ نہ جانے کیا ضروری کام آن پڑا ہے۔ مگر ایک درخواست قبول کیجیے۔"

"ہاں ہاں، ضرور کہیئے۔" امیر حمزہ نے کہا۔

درخواست یہ ہے کہ جب میں عمرو کو اپنے پاس بُلواؤں

تو آپ اُنھیں ضرور بھجوا دیجیے گا۔ مجھے ان کا گانا سُننے کا بڑا اِشتیاق ہے۔"

"بہت بہتر۔ آپ عَمرو کو بُلوانے کے لیے اپنا آدمی بھیج دیجیے گا۔" یہ کہہ کر امیر حمزہ نے اُسے رُخصت کیا۔

اُدھر سُلطان سعد کا رنج و غم سے عجب حال ہوا۔ دِل میں کہا، دادا جان نے آج عجیب بات کی۔ دُشمن کو اپنی مسند پر بٹھایا اور اُس کی ایسی خاطر تواضع کی جیسے اپنا ہی بیٹا ہے۔ اُس سے میرے والد کی تلوار اور گھوڑا لینے کے بجائے یہاں تک تیار ہو گئے کہ مجھے بھی اُسی کے حوالے کر دینا چاہتے تھے۔ یہ باتیں سوچ سوچ کر چُپکے چُپکے روتا تھا۔

عَلَم شاہ نے قیصر رُومی اور نوشیرواں کے سامنے امیر حمزہ کی اِتنی تعریف کی کہ دونوں جل کر کباب ہو گئے اور جب اُس نے عَمرو کے گانے کی تعریف میں زمین آسمان کے قلابے مِلائے تو قیصر سے ضبط نہ ہو سکا۔ کہنے لگا۔

"عَمرو بے چارہ گانا کیا جانے۔ وہ تو چھلاوہ ہے چھلاوہ۔"

"یہ بات آپ اِس لیے کہہ رہے ہیں کہ آپ نے عَمرو

کا گانا نہیں سُنا۔ اِجازت ہو تو اُسے بُلواؤں؟"

یہ سُن کر بختک کا خُون خشک ہُوا۔ ہاتھ جوڑ کر علم شاہ سے کہنے لگا۔ حضُور، بس یہی کام نہ کیجیے گا۔ عمرو کا آنا قیامت سے کم نہیں۔ سب کو حواس باختہ کر دے گا۔"

"کیا تُمھارے طلب کرنے سے عمرو آ جائے گا؟ مجھے تو یقین نہیں آتا۔" نوشیرواں نے کہا۔

"وہ ضرور آئے گا۔ امیر حمزہ نے مجھ سے وعدہ کیا ہے کہ جب عمرو کو طلب کرو گے وہ آ جائے گا۔"

"اچھا، تو اُسے بُلواؤ، ہم بھی اُس کا گانا سُنیں گے۔" قیصر نے کہا۔

علم شاہ نے اُسی وقت سیّارہ رُومی کو بُلایا اور کہا کہ میری جانب سے امیر کی خدمت میں سلام عرض کر کے کہنا کہ عمرو کو بلایا ہے۔

سیّارہ رُومی نے امیر حمزہ کو علم شاہ کا پیغام دیا۔ اُنھوں نے اُسی وقت عمرو سے کہا کہ سیّارہ رُومی کے ساتھ چلا جا اور جس طرح علم شاہ کہے، ویسا ہی کر۔ یہ حکم سُن کر عمرو کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ جل کر کہنے لگا۔

"خُدا جانتا ہے، اب تو میری ذِلّت و خواری کی اِنتہا ہو

گئی ہے۔ میں عیّاروں کا شہنشاہ ہوں۔ مجھے گانے بجانے
سے کیا دِل چسپی ہے۔ میں ہرگز نہ جاؤں گا۔"

امیر حمزہ نے دیکھا کہ کسی طرح نہ مانے گا تو اپنے
ایک غلام سے کہا کہ خزانے میں جا اور ایک لاکھ
اشرفیوں کے توڑے لے آ۔ چشم زدن میں سونے کی چمکتی
دمکتی اشرفیاں سامنے آگئیں۔ امیر حمزہ اُنھیں گِننے بیٹھ گئے
عَمرو للچائی ہوئی نظروں سے اشرفیاں دیکھتا رہا۔ پھر کہنے
لگا۔

" بھائی حمزہ، ہم تو تُمھارے نوکر ہیں۔ جیسا کہو گے ویسا
کریں گے۔ اگر تُمھاری خُوشی اسی میں ہے کہ ہم عَلَم شاہ
کی خدمت میں حاضر ہو کر گانا سُنائیں تو ہمیں کیا اِنکار ہے۔"

امیر حمزہ ہنس پڑے اور کہا "یہ اشرفیاں میں نے تیرے
ہی لیے منگوائی ہیں مگر شرط یہ ہے کہ جب عَلَم شاہ
کو خُوش کر کے واپس آئے گا، تب تجھے عطا کروں گا۔"

علَم شاہ کے دربار میں

سورج چھپنے کے کوئی دو گھنٹے بعد عمرو عیار اصفہان میں پہنچا اور علَم شاہ کے دربار میں جا کر اُسے ادب سے سلام کیا۔ علم شاہ عمرو کو دیکھ کر بے حد خوش ہوا اور اُسے اپنے پاس بٹھا لیا۔ بختک بھی وہاں موجود تھا۔ اُس نے جونہی عمرو کی صورت دیکھی، کلیجا اچھل کر حلق میں آ گیا۔ علم شاہ سے کہنے لگا:

"جناب، میں یہاں سے رخصت ہونے کی اجازت چاہتا ہوں۔"

"نہیں نہیں۔۔۔ آپ یہیں بیٹھیے" علم شاہ نے کہا۔ "عمرو چچا سے تو آپ کی پرانی دوستی ہے۔"

"بے شک ۔۔۔ دوستی ہی نہیں، بلکہ رشتے داری بھی ہے۔ کیوں صاحب، میں کچھ غلط تو نہیں کہہ رہا۔" عمرو نے قہقہہ لگا کر بختک سے کہا۔ وہ بے چارہ گردن

ہلا کر رہ گیا۔

علم شاہ نے عمرو کی بے حد خاطر تواضع کی۔ پھر قیصرِ رومی اور نوشیرواں کو پیغام بھیجا کہ عمرو آ گیا ہے۔ اگر جی چاہے تو اُس کا گانا سُننے کے لیے تشریف لائیے۔ تھوڑی دیر بعد دونوں بادشاہ وہاں آئے۔ علم شاہ نے تعظیم دے کر انھیں بھی قرینے سے بٹھایا۔ پھر عمرو سے کہنے لگا۔

"سب لوگ آپ کا گانا سُننے کے منتظر ہیں۔ شروع کیجیے"

"دیکھیے جناب، میں کوئی ڈوم یا مراثی تو ہوں نہیں جو یوں گاتا پھروں —— اپنا جی خوش کرنے کو کبھی کبھار چیخ لیا کرتا ہوں۔ لوگ اُسے گانا سمجھتے ہیں۔ اِس وقت تو امیر حمزہ کے عہد کا پاس تھا، اِس لیے آ گیا ورنہ کبھی نہ آتا اور گانا سُنانے کا تو سوال ہی کیا ہے۔ بہر حال آپ کی فرمائش ٹالنا نہیں چاہتا۔ لیجیے سُنیے۔ مگر اتفاق سے میرے پاس کے ساز بجانے والے نہیں ہیں۔ ذرا اپنے ہاں کے سازندوں سے کہیے کہ وہ ساز بجائیں"

قیصرِ رومی کے درباری گویّے اور سازندے بھی

اِس محفل میں حاضر تھے اور عمرو کو حقارت کی نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ عمرو کی یہ بات سُن کر اُن کی تیوری پر بَل پڑ گئے اور آپس میں کہنے لگے کہ ذرا دیکھو تو اس مسخرے کو۔ اِس کی خاطر ہم جیسے اُستاد ساز بجائیں گے۔ اُنھوں نے دبی زبان سے کہا۔

"جناب والا، ہم نہیں جانتے کہ عمرو عیار صاحب کہاں کے گویّے ہیں اور کیا معلوم ان کو گانا آتا بھی ہے یا نہیں۔"

یہ سُن کر علم شاہ کو تاؤ آیا۔ ہنٹر نکال کر کہنے لگا۔

"اگر تُم لوگوں نے اِنکار کیا تو اِسی ہنٹر سے سب کی کھال اُدھیڑ دُوں گا۔" بھلا عمرو کا اور تمھارا کیا مُقابلہ۔ تُم نے ابھی تک عمرو کا گانا نہیں سُنا ہے اِس لیے ایسی بکواس کرتے ہو۔ جب سُن لوگے تو خُود تعریف کرو گے۔"

اِس موقع پر نوشیرواں نے بھی مُسکرا کر علم شاہ کی تائید کی اور کہا:

"ہمیں ایک مرتبہ عمرو کا گانا سُننے کا اِتّفاق ہُوا تھا۔

واقعی علم شاہ سچ کہتا ہے۔ عمرو سے بہتر گانے والا اس وقت روئے زمین پر کوئی نہیں ہے۔"

نوشیرواں کی یہ بات سنی تو گویّوں اور سازندوں کے منہ لٹک گئے اور انھوں نے ساز بجانے شروع کیے۔ عمرو نے گانا شروع کیا اور اس خوبی سے گایا کہ ساز بجانے والے عاجز آ گئے اور سب نے اٹھ کر عمرو کے قدموں پر سر رکھ دیے کہ آپ استاد اور ہم شاگرد۔۔۔

غرض عمرو کئی گھنٹے تک ایسا گایا کہ در و دیوار جھومنے لگے۔ قیصر رومی اور نوشیرواں داد دیتے دیتے تھک گئے لیکن عمرو گانے سے نہ تھکا۔ آخر علم شاہ نے اسے روکا اور ایک قیمتی ہار اس کے گلے میں ڈالتے ہوئے کہنے لگا۔

"تم واقعی موسیقی کے بادشاہ ہو۔"

پھر غلاموں کو حکم دیا کہ زر و جواہر کی کشتیاں لائی جائیں۔ اسی وقت حکم کی تعمیل کی گئی۔ علم شاہ نے کہا۔ یہ سب جواہرات تمھارا انعام ہیں۔ انھیں قبول کرو۔ لیکن عمرو نے انکار کیا اور کہنے لگا کہ مجھ کو امیر حمزہ نے منع کیا ہے اس لیے یہ چیزیں ہرگز نہ

لوں گا۔ پھر علم شاہ کی طرف دیکھ کر مسکرایا۔ اس نے پوچھا، اے عمرو کس بات پر ہنسے؟ کہنے لگا۔

"ابھی آپ نے میرا گانا ہی سنا ہے۔ میرا ناچ نہیں دیکھا۔ پیروں میں گھنگھرو باندھ کر ناچتا ہوں اور شربت سے بھرا گلاس اپنے ہاتھ میں تھام لیتا ہوں۔ کیا مجال کہ گلاس چھلک جائے۔ اس کے علاوہ مجھ میں ایک کمال یہ ہے کہ اگر چاہوں تو ناچنے میں صرف ایک گھنگھرو آواز دے اور چاہوں تو سب آواز دیں۔

علم شاہ بہت خوش ہوا اور عمرو سے کہا اب تو ہم تمہارا ناچ بھی ضرور دیکھیں گے اور تمہارے ہاتھ سے شربت بھی پئیں گے۔ اسی وقت گھنگھرو لائے گئے جنھیں عمرو نے اپنے پیروں میں باندھ لیا، پھر خوشبودار لذیذ شربت منگوایا گیا۔ عمرو نے آنکھ بچا کر اس میں دوائے بے ہوشی ملائی اور ناچنا شروع کر دیا۔ ناچتے ناچتے شربت کا گلاس بھرتا اور کسی نہ کسی کو پلا دیتا۔ جب بختک کے پاس گلاس لے کر آیا تو اس نے پینے سے انکار کیا اور کہا۔

"جناب، مجھے تو معاف کیجیے۔ یہ شربت میرے پینے کے لائق نہیں۔ دوسروں ہی کو پلائیے"

عمرو نے قیصر رُومی اور نوشیرواں کی جانب مُنہ کر کے کہا۔

"حضور سُنتے ہیں آپ، بختک صاحب فرماتے ہیں کہ یہ شربت میرے پینے کے لائق نہیں۔ یعنی جو شربت بادشاہوں کے پینے کے لائق ہے وہ بختک صاحب اپنے لائق نہیں سمجھتے۔"

یہ سُن کر قیصر رُومی، نوشیرواں اور علم شاہ طیش میں آئے اور پُکار اُٹھے کہ جُوتے مار مار کر بختک کا بھیجا پلپلا کردو۔ یہ بد تمیز ہے۔ بادشاہوں کی محفل میں بیٹھنے کے لائق نہیں۔ عمرو نے اُسی وقت بختک کے سر پر چھ سات جُوتے جڑ دیے۔ آخر اُس نے چِلّا کر کہا۔

"میرا قصُور مُعاف کرو۔ میں شربت پی لیتا ہُوں۔"

"ہاں، اب آئے سیدھے راستے پر۔" عمرو نے کہا اور بختک کو بھی شربت پلایا۔

تھوڑی دیر بعد ایک ایک کر کے سب کی آنکھیں بند ہوئیں اور دیکھتے ہی دیکھتے سب بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ عمرو نے تمام زر و جواہر کی کشتیاں زنبیل میں اُلٹیں۔ پھر قیصر رُومی، نوشیرواں اور تمام درباریوں، سازندوں، گویّوں، اور پہرے داروں، حتّٰی کہ غُلاموں کے کپڑے بھی

اُتار لیے صرف علَم شاہ کو چھوڑ دیا۔ اِس کے بعد وہاں سے رفُو چکر ہُوا اور صُبح کے وقت امیر حمزہ کے پاس آیا۔ اُنھوں نے پُوچھا کہ علَم شاہ کے ہاں سے کب آئے تو اُس نے جواب دیا۔

"ابھی ابھی آیا ہُوں۔ میرا گانا سُن کر بہت خُوش ہُوئے۔ زر و جواہر سے بھری ہُوئی کشتیاں اِنعام میں دینے لگے۔ مگر میں نے کہہ دیا کہ بھائی حمزہ نے منع کیا ہے۔ دراصل علَم شاہ کے آدمیوں نے مجھے پہلے ہی بتا دیا تھا کہ اس شخص کی سخاوت کا عجب عالم ہے۔ رات کو اِنعام و اِکرام عطا کرتا ہے اور صُبح سب کُچھ چھین لیتا ہے۔"

امیر حمزہ یہ سُن کر چُپ ہو رہے۔ عُمرو اپنے خیمے میں آیا اور لمبی تان کر سو رہا۔

اُدھر سُورج نکلنے کے بعد قیصرِ رُومی، نوشیروان اور علَم شاہ وغیرہ ہوش میں آئے۔ دیکھا کہ سب کے کپڑے غائب ہیں۔ زر و جواہر کی کشتیاں اور بادشاہوں کے تاج بھی نظر نہیں آئے۔ بختک نے بغلیں بجا بجا کر کہنا شرُوع کیا کہ اور سُنیے عُمرو کا گانا۔ یہ سب اُسی مردُود کا کیا دھرا ہے۔ میں پہلے ہی سمجھاتا تھا کہ اُسے یہاں نہ بُلائیے مگر آپ نے ایک نہ سُنی۔ اب اُس کے ہاتھوں خُود بھی ذلیل ہُوئے

اور ہمارے شہنشاہ نوشیرواں کو بھی ذلیل کیا۔ اب آپ کے کلیجے میں ٹھنڈ پڑی۔"

غرض ایسی جلی کٹی باتیں کیں کہ علم شاہ کا چہرہ غُصّے سے سُرخ ہو گیا۔ دِل میں کہنے لگا کہ اے علم شاہ تیری سب عِزّت خاک میں مِل گئی۔ اب یہ مُنہ قیصر اور نوشیرواں کو دِکھانے کے قابِل نہیں رہا۔ بہتر یہی ہے کہ امیر حمزہ سے کہہ کر عَمْرو کو سزا دِلواؤں۔

علم شاہ اُسی وقت گھوڑے پر سوار ہو کر چلا اور امیر حمزہ کے لشکر میں آیا۔ خادموں نے خبر کی کہ علم شاہ غُصّے میں بھرا ہُوا آتا ہے۔ امیر حمزہ حیران ہُوئے اور خیمے سے باہر نِکل آئے۔ علم شاہ نے امیر کو سلام نہ کیا بلکہ غُصّے سے کہا۔

"عَمْرو کہاں ہے؟ ذرا بُلوائیے۔"

"خیر تو ہے؟ آپ بہت ناراض دِکھائی دیتے ہیں؟ — گھوڑے سے تو اُترئیے۔" امیر حمزہ نے کہا۔

علم شاہ کسی طرح گھوڑے سے نیچے اُترنے پر راضی نہ ہوتا تھا۔ آخر امیر حمزہ نے بہت سی قسمیں دیں، تب بارگاہ کے اندر آیا۔ مسند پر بیٹھ کر سارا حال سُنایا اور آخر میں کہا۔ عَمْرو نے جو سلُوک میرے ساتھ کیا ہے اُس کا علاج

یہی ہے کہ اب میں کچھ کھا کر مر جاؤں۔"

امیر حمزہ تھوڑی دیر چپ رہے پھر کہنے لگے۔

"آپ رنج نہ کریں۔ عمرو آپ سے معافی مانگے گا۔ میں اپنا تاج آپ کو پیش کرتا ہوں۔"

یہ کہہ کر امیر حمزہ نے اپنا تاج منگوایا اور خود علم شاہ کے سر پہ رکھا۔ علم شاہ کی خوشی کا کوئی ٹھکانا نہ رہا۔ غرض امیر نے علم شاہ کی ایسی عزت کی کہ اُس کے دل سے سارا غبار دُھل گیا۔ پھر اُنھوں نے عمرو کو بلوایا۔ اُس نے بھی معافی مانگی اور کہا کہ میں بختک اور نوشیرواں کو ذلیل کرنا چاہتا تھا۔ آپ کو رنج کرنے کی کیا ضرورت ہے۔

علم شاہ امیر حمزہ سے رخصت ہو کر اپنے لشکر میں آیا اور سارا ماجرا قیصر سے کہا۔ وہ تاج بھی دِکھایا۔ قیصر رُومی نے بھی تاج کی تعریف کی۔ شہزادہ ہُرمُز کو وہ تاج بے حد پسند آیا اور علم شاہ سے کہا کہ یہ تاج مجھے دے دو۔ اُس نے فوراً وہ تاج اُس کو دے دیا۔

اُدھر جاسوسوں نے یہ خبر امیر حمزہ کو پہنچائی کہ آپ نے جو تاج علم شاہ کو عطا کیا تھا، وہ اُس نے نوشیرواں کے بیٹے ہُرمُز کو دے دیا ہے۔

امیر حمزہ کہنے لگے۔ میں نے تاج علم شاہ کو دیا اب وہ

اُس کی ملکیت ہے جس کو چاہے دے۔" سلطان سعد نے بھی یہ قصہ سُنا۔ اُسے بے حد صدمہ ہُوا کہ دادا جان نے تو حد کر دی۔ اپنا قیمتی تاج ہی عَلَم شاہ کو دے دیا اور عَلَم شاہ نے اُس کی ایسی بے قدری کی کہ اُٹھا کر شہزادہ ہُرمُز کے حوالے کر دیا۔

چار گھڑی رات رہے سعد گھوڑے پر سوار ہُوا اور صُبح ہوتے ہوتے نوشیرواں کے لشکر میں آیا۔ ایک سپاہی سے پُوچھا کہ شہزادہ ہُرمُز کا خیمہ کدھر ہے۔ اُس نے پتا بتایا۔ سعد اپنے گھوڑے سمیت شاہی خیمے میں گھُس گیا۔ دربانوں نے دیکھا تو غُل مچایا۔ سعد نے کسی کو خنجر مارا اور کسی کو نیزہ۔ اُس وقت ہُرمُز بیٹھا ہُوا مُنہ دھو رہا تھا اور دائیں بائیں اُس کے مُلازم کھڑے تھے۔ سعد ہُرمُز کے قریب آیا اور اُس کے سر سے تاج اُتار لیا۔ ہُرمُز کی حفاظت کرنے والے غُلام تلواریں کھینچ کر دوڑے لیکن سعد گھوڑا دوڑاتا ہُوا نِکل گیا۔

عَلَم شاہ کو خبر ہُوئی تو غُصّے سے لال پیلا ہو کر خیمے سے نِکلا اور کہا کہ میں سُلطان سعد سے یہ تاج لے کر آتا ہُوں۔ نوشیرواں اور قیصرِ رُومی بھی فوج تیار کر کے چلے۔ اُنھیں یقین تھا کہ اب تلوار ضرور چلے گی۔

وہاں امیر حمزہ نے بھی خبر پائی کہ آج سُلطان سعد پھر

دشمن کے لشکر میں گیا اور ہرمز سے تاج چھین کر لے آیا۔ پھر اُنھوں نے نوشیرواں کا لشکر آنے کی خبر بھی سُنی ۔ فوراً اپنے پہلوانوں کو لے کر نکلے۔ اُدھر علم شاہ نے راستے ہی میں سعد کو جا لیا اور للکار کر کہا۔

"او لڑکے، رُک جا بھاگ کر کہاں جائے گا؟ میں آن پہنچا۔"

سعد علم شاہ کی یہ للکار سُن کر ٹھہر گیا۔ علم شاہ نزدیک آیا اور کہنے لگا۔

"تُو نے یہ تاج ہرمز کے سر سے کیوں اُتارا؟"

"آپ کون ہیں مجھ سے یہ پُوچھنے والے؟" سعد نے کہا۔ جب آپ نے یہ تاج ہرمز کو دے دیا تو وہی اِس کا مالک ہے۔ میں نے اُس سے اپنی قوّت کے بل پر چھین لیا۔ اگر آپ اِسے خُود پہنتے تو میں یہ حرکت نہ کرتا۔"

"خیر، یہ تاج تُو کسی طرح نہیں لے جا سکتا۔" علم شاہ نے کہا۔

"لیے تو جاتا ہُوں اور کِس طرح لے جاؤں؟" سعد نے کہا۔ ہمّت ہے تو مجھے روک لو۔" یہ کہہ کر گھوڑے کو ایڑ لگائی۔ علم شاہ حلق پھاڑ کر چلّایا۔

"میں کہتا ہُوں یہ تاج واپس کر دو ورنہ یہیں تُمھارے

ٹکڑے کر دُوں گا۔"

اِتنے میں قیصر رُومی اور نوشیرواں اپنی فوجیں لے کر آ گئے۔ سعد نے ہنس کر علَم شاہ سے کہا۔

"بس معلُوم ہو گیا جناب اِنہی حمایتیوں کے سہارے رُستمی کرتے ہیں۔"

علَم شاہ نے شرمندہ ہو کر گردن جُھکا لی۔ کوئی جواب نہ سُوجھا۔ مگر فوراً ہی لِندھور ایک لشکرِ جرّار کے ساتھ نمُودار ہُوا۔ اُس کے ساتھ امیر حمزہ بھی تھے۔ پھر قباد شہریار اپنی فوج لے کر آیا۔ اب علَم شاہ نے سعد سے کہا۔

"اے لڑکے دیکھ تیرے حمایتی بھی آن پہنچے۔"

سعد نے لِندھور کو دیکھا تو خُوش ہُوا اور دِل میں کہا دادا جان کو ہماری سب خبر ہے اور وہ ہم سے غافل نہیں ہیں۔ امیر حمزہ ایک جانب کھڑے ہو کر تماشا دیکھنے لگے۔ علَم شاہ اور سعد دونوں تلواریں کھینچے لڑنے کو تیار ہیں مگر کوئی پہل نہیں کرتا۔ لِندھور نے امیر سے عرض کی کہ سعد بچّہ ہے، وہ علَم شاہ سے کیونکر لڑے گا۔ بہتر ہے کہ اُسے واپس بُلائیے۔ ایسا نہ ہو کہ اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ امیر حمزہ کہنے لگے کہ اے لِندھور تُم سچ کہتے ہو مگر وہ میرا پوتا ہے۔ اگر بُلاتا ہُوں تو لوگ ساری زندگی

اُسے میدان سے پیٹھ پھیرنے کا طعنہ دیں گے۔ اِس سے تو یہی بہتر ہے کہ علَم شاہ کے ہاتھوں بہادری کی موت مارا جائے۔"

امیر حمزہ کی یہ بات سُن کر لندھور غش غش کرنے لگا۔ عَمرو عیّار کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ اُسے سُلطان سعد سے بے حد محبت تھی۔ خُدا سے دُعا کرنے لگا کہ یا اِلٰہی اِس بچّے کی جان بچا۔

عَمرو کی دُعا خُدا نے سُن لی۔ یکایک ایک نقاب پوش سوار نمُودار ہُوا اور علَم شاہ سے کہنے لگا "تیرا کیا نام ہے؟"

علَم شاہ کہنے لگا: "تجُھے میرے نام سے کیا کام؟ جو کچُھ کہنا ہے کہہ دے۔"

تب نقاب پوش نے کہا: "اگر تیرا نام علَم شاہ ہے تو ذرا اکیلے میں چل اور میری دو باتیں سُن لے۔"

یہ سُن کر علَم شاہ حیران ہُوا اور کہنے لگا۔ "یہ وقت باتیں سُننے کا نہیں ہے۔ تجھے جو کہنا ہے یہیں کہہ دے۔"

نقاب پوش نے اپنے پائنچے کو پاؤں پر سے ہٹایا۔ علَم شاہ نے دیکھا کہ اُس کے پیروں میں بیڑیاں پڑی ہیں۔ پھر اُس نے چہرے پر سے نقاب اُٹھایا اور کہنے لگا۔

"اے علَم شاہ، تُو نے مجھ کو پہچانا؟ میں شیوہ وزیر زادی ہُوں۔ تمہاری ماں ملکہ اطلس پوش اور تمہارا نانا کاؤس رُومی ہے۔ ان سب کو قیصر نے قید کیا ہے اور تُم کو بھی قتل کرتا تھا لیکن قیصر کی بیوی نے تمہیں اپنا بیٹا بنا کر پالا ہے۔ میں عمرو عیّار کی بیوی ہُوں اور سیّارۂ رُومی میرا بیٹا ہے۔ امیر حمزہ تُمھارے والد ہیں اور یہ لڑکا سعد سُلطان تمہارا بھتیجا ہے۔ اے نادان تُو کس سے لڑتا ہے۔ پہلے اپنی ماں اور نانا کو قیصر کی قید سے رہا کرا۔"

یہ سُنتے ہی علَم شاہ گھوڑے کو گھُما کر قیصر کے پاس آیا۔ نقاب پوش کی تمام باتیں سُلطان سعد بھی سُن رہا تھا۔ دِل میں کہنے لگا کہ علَم شاہ تو میرا چچا ہے۔ ایسا نہ ہو کہ اب قیصر اسے کوئی نُقصان پہنچائے۔ یہ سوچ کر وہ بھی علَم شاہ کے پیچھے پیچھے چلا۔ اُدھر قیصر نے ناراض ہو کر کہا:

"اے علَم شاہ، تُو نے ہماری آبرُو خاک میں مِلائی۔ یہ ذرا سا لڑکا تجھ سے مارا نہ گیا اور تُو میدان سے پیٹھ پھیر کر چلا آیا۔"

"چُپ رہ۔" علَم شاہ نے گرج کر کہا۔ تُو نے بہت دِن مُجھ کو بے وقُوف بنایا۔ میری ماں اور نانا کو قید میں

ڈالا اور میرے باپ کو مجھ سے چھڑایا۔
قیصر نے اپنے غلاموں کو حکم دیا کہ مارو علم شاہ کو
۔ غلام تلواریں اور خنجر لیے علم شاہ کی طرف جھپٹے
علم شاہ نے آناً فاناً چار پانچ کو گاجر مولی کی طرح
کاٹ کر ڈال دیا۔ ایک نامراد حبشی غلام پشت کی
جانب سے علم شاہ پر حملہ کرنے آیا۔ سعد نے چلا کر
علم شاہ کو خبردار کیا اور کہا۔
"چچا جان، پیچھے دیکھیے۔ ایک دشمن وار کرتا ہے۔"
علم شاہ نے گھوم کر تلوار کا ہاتھ مارا اور غلام دو
ٹکڑے ہو کر گرا۔ پھر علم شاہ نے سعد سے کہا۔
"میرے بیٹے، تم اب اپنے دادا کے پاس جاؤ۔ ایسا نہ
ہو کہ کوئی تمھیں زخمی کر دے۔"
سعد نے کہا کہ میں آپ کو چھوڑ کر کہاں جاؤں گا۔
اتنے میں قیصر رومی غضب ناک ہو کر آیا اور علم شاہ
سے جنگ کرنے لگا۔ علم شاہ نے اس کا حملہ روک کر
ایسا ہاتھ مارا کہ تلوار قیصر کے سر پر لگی اور گردن
کاٹتی ہوئی سینے تک آئی۔ قیصر ایک ہولناک چیخ مار
کر زمین پر گرا اور مر گیا۔ قیصر کے مرتے ہی اس
کی فوج نے ہلا بول دیا۔ اسی وقت امیر حمزہ، لندھور

اور بہرام بھی بھوکے شیروں کی طرح دُشمن پر آن پڑے۔ مُقبل وفادار نے تیروں کی بارش برسا دی اور اَن گنت آدمی مار ڈالے۔ لِندھور کا گُرز جس پر پڑا فنا ہُوا۔ امیر حمزہ لڑتے ہُوئے نوشیرواں کے قریب پہنچ گئے اور اُس کے جھنڈے کو چار ٹکڑے کیا۔ نوشیرواں جان بچا کر بھاگا۔ لیکن بھاگتے بھاگتے گستم کے بیٹوں کو حُکم دے گیا کہ حمزہ کو اشقر دیوزاد پر سے گھسیٹ لو۔ وہ دونوں غُرّاتے ہُوئے آئے اور چاہا کہ امیر حمزہ کو اشقر کی پیٹھ سے اُتار لیں کہ امیر حمزہ نے ایک کے سینے میں تلوار گھونپ دی اور دُوسرے کو بائیں ہاتھ کا گھونسا اِس زور کا مارا کہ اُس کا جبڑا ٹُوٹ گیا۔

تھوڑی دیر میں لڑائی کا نقشہ ہی بدل گیا۔ رُومی سپاہیوں نے ہتھیار پھینک دیے اور عَلَم شاہ سے کہنے لگے کہ قیصر تو مارا گیا۔ اب آپ ہمارے بادشاہ ہیں۔ ہم کو پناہ دیجیے۔ یہ دیکھ کر بختک مکّار نے واپسی کا طبل بجوا دیا۔ سُلطان سعد نے بڑھ کر اِس طبل پر تلوار ماری اور اُسے کاٹ کر پھینک دیا۔ بختک نے دُوسرا طبل بجوایا۔ امیر حمزہ نے عمرو سے کہا کہ سعد کی خبر لاؤ۔ دیکھو کس طرف ہے؟ عَمرو

زندوں اور مُردوں کو چیرتا پھاڑتا سعد کی تلاش میں نکلا مگر کئی گھنٹے کی تلاش کے باوجود نہ سعد کا پتا چلا اور نہ علم شاہ کا۔ لہراسپ بھی گُم تھا۔ تب ایک سپاہی نے بتایا کہ علم شاہ اور سعد نوشیرواں کے تعاقب میں رُوم گئے ہیں۔

امیر حمزہ سے عمرو کی لڑائی، عمرو نے اپنی الگ حکومت بنا لی اور ایک ایک کر کے امیر حمزہ سمیت تمام پہلوانوں کو گرفتار کر لیا۔ علم شاہ کی قیصر اور نوشیرواں سے بغاوت، خواجہ بزرجمہر کی ایک عجیب نصیحت یہ دل چسپ اور حیرت انگیز واقعات اِس داستان کے آٹھویں حِصّے "عیاروں کی حکومت" میں پڑھیے۔